

مجلس مرکزی حزب الانصار بھیرہ (مغربی پاکستان) کا ترجمان



مجلس مرکزیہ

حزب الانصار کی پچیسویں عظیم الشان سالانہ تبلیغی

* کانفرنس *

فائنل شمس الاسلام کو اس مزدہ جانفزا سے غور سے کیا جاتا ہے کہ
حزب الانصار کی پچیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس تاریخ ۱۱-۱۲-۱۳ مارچ ۵۵
مطابق ۱۵-۱۶-۱۷ رجب ۱۳۵۵ بموافق ۲۸-۲۹-۳۰ مارچ ۱۱-۱۲-۱۳ بروز
جمعہ صبح ۱۱ بجے انوار کو انشالیہ المیزان جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوگی جس میں
مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان کے بہترین خطیب و مقررین تشریف لائیں گے۔
مندرجہ بالا تاریخوں کو نوٹ فرمائیے۔ خود بھی شامل ہوں اور اپنے دوستوں
اکثر جلسہ کی تاریخوں سے آگاہ کریں۔

غلام حسین ناظم مجلس استیفاء حزب الانصار بھیرہ (پاکستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَبِیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ اَنْتُمْ اَوَّلُ مَا خَلَقْنَا

تحت ادارہ

مولانا الحاج افتخار احمد صاحب میوہ حزب الانصار بھیرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَبِیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ اَنْتُمْ اَوَّلُ مَا خَلَقْنَا

سالانہ چندہ

معاذین سے
غیر مالک سے

سالانہ چندہ

عوام سے
طلبہ سے

منجانب

حسب الانصار مجیر

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

۱۔ اندونی و بیرونی حلوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت، اسلام۔
۲۔ اصلاح رسوم با اتباع شریعت، اسلامیہ، احیاء و اشاعت، علوم و دینیہ۔

۳۔ جریدہ شمس اسلام کا اجراء (۲) دارالعلوم غزنیہ جامع مسجد مجیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت انجام دے رہا ہے۔
۴۔ مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے۔
۵۔ امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ، کتب خانہ، جامع مسجد مجیرہ کی عزت و حریم کے فواید و ضوابط

۱۔ رسالہ ہرگز بڑی ماہ کی پانچ تاریخ کو یا ہفتی وقت سے شائع ہوتا ہے مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ کو وصول ہو چاہئیں۔ دیکر مضمون نگار صاحبان کی نلٹے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ امکان حزب الانصار کے نام پر یہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ چندہ کلینٹ کم از کم چار ماہ یا تین شے سالانہ ملتا ہے۔ ۳۔ عام سالانہ چندہ معاہدین سے طلبہ سے ملے مقررہ نمونہ کار پر ہم کے ٹکٹ وصول ہو کر بھیجا جاتا ہے۔ ۴۔ رسالہ باقاعدہ جانچ کر ٹی مال کے بعد بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے بعض رسائل آستانہ میں تلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں خریداری کی طرف سے دینے کی ۲۵ تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر مزارعہ ہوگا۔ ۵۔ جواب کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ۶۔ ہندوستان کے اپنا چندہ حاجی فضل الہی عبد الباقی صاحبان کمیشن کی پیش لکھ نواب سجد شریٹ بھیجی ہندوستان، کو بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں ۷۔ برنگ ٹاک خطوط پیرنگ ہوں گے۔ جملہ خط و کتابت و ترسیل ذرا بنا مر غلام حسینین ایڈیٹر شمس الاسلام مجیرہ پنجاب ہونی چاہئے۔

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی بی پی ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور ہو تو

اطلاع دیں۔ خدا وی بی پی واپس فرما کر ایک اسلامی ادارے کو نمانتی نقصان نہ پہنچائیں، خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں +

غلام حسین نیچر سالہ شمس الاسلام

۷۸۶

اسلام

ماہنامہ

(بھیرہ)

جلد ۲۶ جمادی الاول ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۵۵ء شمارہ ۱

فہرست مضامین

صفحہ	صاحب مضمون	مضمون	نمبر شمار
۴	ادارہ	بزم انصار	۱
۵	"	الاخوان المسلمون کی شہادت	۲
۶	"	وہ جنگو تاریخ نہیں بھلا سکتی	۳
۸	مولانا عبد اللہ صاحب مدیر صدق	قرآن مجید اور دستور حکومت	۴
۹	ادارہ	رسائل و مسائل	۵
۱۲	محترم احمد صاحب عارفی	برق کے دو سرے اسلام پر اصل اسلام کی روش	۶
		منصفانہ تنقید	
۱۷	حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور	بچی کسانیاں	۷
۱۹	مولانا قاضی محمد زاید صاحب الحدیث	ضرورت حدیث	۸
<p>باہتمام غلام حسین ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر ثنائی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوا۔</p>			

(مختصر کتاب)

بزم انصار و کوائف کردگی حزب انصار حبیر

دارالعلوم عزیزہ : درالعلوم عزیزہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے طالبان علم دینیہ نمایاں تہمت سے مصروف تعلیم ہیں۔

سالانہ کانفرنس : ہر سال انصار کی تبلیغی سالانہ کانفرنس میں جن حضرات کو شمولیت کا موقع ملتا ہے وہ جانتے ہیں کہ کانفرنس جی نوعیت میں پنجاب بھر کی کانفرنسوں میں چند وجوہ کی بنا پر نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

۱۔ سالانہ کانفرنس ہمیشہ سے تین روز کیلئے ہوا کرتی ہے۔ اور اس میں کم از کم پنجاب سرحد کے تقریباً تمام افواج سامعین شرکت کرتے ہیں اور ان تمام بزرگانی حضرات کو تین دن کا نامہ پختہ گوشت و دہنی و زبانا انصار کی طرف پیش کیا جاتا ہے۔

۲۔ اس کانفرنس میں مشائخ عظام علاوہ مختلف انجیال سیاسی و غیر سیاسی ایک شیخ پر تشریف لاکر اپنے خیالات سامعین کو مستفیض کرتے ہیں۔ بعد ازاں تعالیٰ اجلاس میں شرکت کر نیوالے کسی صاحب کو تشنہ ابی کا شکہ نہیں ہوتا۔

۳۔ اس سال حزب انصار کی سالانہ چکیوں کانفرنس تاریخ ۱۱

۱۱ مارچ ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۸، ۲۹، ۳۰ مارچ ہنگام سماعت

موافق ۱۵، ۱۶، ۱۷ رجب المرجب بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

اشاء اللہ العزیزہ منعقد ہوگا۔ شائقین حشر تاریخیں شا فرامیں۔

شعبہ تبلیغ : تبلیغی وفد حزب انصار نے مجوزہ شائع کردہ پروگرام

کے مطابق مندرجہ ذیل مقامات کا دورہ کیا۔ ہر مقام پر ارباب سہرا

مستدین نے بہت و اخلاص سے وفد کا ہر مقدم کیا۔ کانٹنن فر

الانصار ان تمام حضرت کا ماحول، اور بالخصوص مندرجہ ذیل حضرات

کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بارگاہ دیوبند میں مستید علم ہیں کہ مولیٰ

کریم انجی اس خدمت کو قبولیت کے لوازے اور فریاد بنی خدمت کی

توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

جناب محترم مولوی محمد رفیق صاحب | جناب محترم مولوی فیض محمد صاحب

جناب محترم مولوی فتح محمد صاحب | جناب محترم حکیم عطا محمد صاحب

جناب محترم سید جلال شاہ صاحب

محمد ولد حسن صاحب

مولوی محمد الجید صاحب

مولوی محمد یار صاحب کلیار

احمد شیر صاحب

حافظ دومت محمد صاحب

چوہدری محمد شریف صاحب فزیر

خواجہ محمد صدیق صاحب

محمد ایوب صاحب

محمد بشیر صاحب

میاں محمد خفیع صاحب

مولوی محمد صادق صاحب

مولوی مرزا صاحب

جیون شاہ صاحب

مولانا خلیل اللہ صاحب

شمس الاسلام : در اس ماہ میں مندرجہ ذیل حضرات شمس الاسلام کی سرپرستی

قبول فرمائی۔ جہاں اللہ احسن الجواز۔

محترم مرید غوث صاحب پٹیاں

مولوی محمد رمضان صاحب سنگترہ

مولوی محمد عبدالقیوم صاحب پٹرون

حافظ محمد رفیع صاحب لاہور

شیخ عبدالسلام صاحب

ہیدماشر صاحب اسلام آباد

سکلی چک صاحب

حافظ محمد سید صاحب

عابد پور صاحب

جناب محترم مولانا ہارون بخش صاحب کوثر

محمد محمد خان صاحب فزیر

مولانا قاضی محمد قاسم صاحب

طیفیل احمد صاحب

محمد رفیق صاحب

محمد بخش صاحب کوثر وری

مولوی فیض محمد صاحب

شیخ چوہدری ریاض احمد صاحب

مولوی محمد معصوم صاحب

مولوی نظام عبدالرحمن صاحب

مولوی عبداللہ شاہ صاحب

سید امیر شاہ صاحب

سید ہار احمد صاحب

حافظ مولوی غوث محمد صاحب

شمس الاسلام : در اس ماہ میں مندرجہ ذیل حضرات شمس الاسلام کی سرپرستی

قبول فرمائی۔ جہاں اللہ احسن الجواز۔

محترم ملک مقصود الدی صاحب بکھر

ایم محمد تیمور صاحب جنگو

در میاں حاجی سید احمد صاحب کراچی

و غلام جیلانی صاحب ان

مولوی عطا محمد صاحب چک بٹالی

محمد الحاج محمد بخش صاحب گنجیال

خواجہ محمد نافع صاحب

شیخ جمیل صاحب بیرا

الافخوان المسلمون کی شہادت

(ادارہ)

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ

ایک جانشین عراق قسٹ کام خونیں بازو کو ذمہ دار قرار دیا۔
(اقتل)

یہ صبح زما خبر اخلاک فدویہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی ہے کہ فراعنہ کی سرزمین مصر میں فوجی حکومت نے محض حمایت حق اور اخلاک کلمہ اللہ کے ہم میں الافخوان المسلمون جیسی پاکیزہ اور نیک ملت کی خیر خواہ جماعت کے افراد کو مصر کے برسر اقتدار موجودہ فوجی حکومت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اور اس فوجی حکومت کے عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پامال کر کے اور تمام دنیا کے اسلام کے غلبہ رسالتوں اور جماعتوں کے احتجاجی تاروں اور عرضداشتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر دسمبر کو محمود عبداللطیف کے ساتھ جس کے خلاف کرنل ناصر پر حملہ کرنے کا الزام تھا۔ پانچ سرکردہ افخوان رہنماؤں کو بھی تختہ دار پر لٹکا دیا۔ انالہذا والہ راجعون۔ راہ حق میں دار حدسن کو چومنے والے ان حضرات میں عبدالقادر قودہ جیسے عظیم علم و فضل اور برگزیدہ شخص بھی شامل تھے۔ وہ اپنی ایک مایہ ناز تصنیف "التشریح الجنائی الاسلامی" کی وجہ سے ایک شہرت عام حاصل کر چکے ہیں۔ وہ ۱۹۵۰ء تک مصر کے محکمہ قضا کے راج کے عہدہ پر فائز رہنے کے علاوہ فہم دین کے معاملے میں افخوان کے حلقوں میں خاص مقام رکھتے تھے۔ اور انہوں نے دین ہی کی خاطر عہدہ ترک کر کے جمادی سبیل اللہ کے خاردار دادیوں میں سفر کرنا پسند کیا۔ اور آخر حق ہی کی خاطر راہ حق میں شہادت کا جام نوش نوش فرمایا۔ سہمہ اللہ تعالیٰ

اگرچہ انڈونیشیا اور پاکستان سے میکر مرکش تک تمام ممالک اسلام نے فوجی آمروں سے مطالبہ کیا کہ بھانسی دینے کی اس سزا کو منسوخ کر دیا جائے۔ اور ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں

کی جماعتوں اور ہر طبقہ کے رہنماؤں کے علاوہ بعض حکومتوں سرکاری طور سے بھی اس مطالبہ عدل و انصاف کی مہنوا کی چنانچہ حکومت شام نے سخت احتجاج کر کے سزا محف کر نیکی درخواست دی۔ لیکن اس کے باوجود مصر کے حکمران اپنی ضد پر قائم رہے اور نہایت عجلت و جلد بازی سے کام لیکر ایک ایسی مثال قائم کر دی جس کی مثال شاید مذہب دنیا کی پوری تاریخ میں نہ مل سکیگی۔ فوجی آمرین کی انقلابی کونسل نے یہ انقلاب آفرین اقدام کر کے اپنے خیال میں اپنے جوش انتقام کو پورا کیا۔ اور افخوان کو حق گوئی کی گستاخی کی سزا دیدی۔ لیکن حقیقت میں انہوں نے بے گناہوں کے اس خون سے افخوان کی تحریک کی کھیتی کی آبیاری کی۔ اس قسم کی قربانیوں سے تحریکیں کمزور نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ قربانیاں ان کی قوت و استقامت میں اضافے کا باعث ہوتی ہیں۔ اور کسی تحریک کی زندگی کی علامت ہی یہی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو قربانیوں کے نیلے اپنے مقصد اور نصب العین کیلئے بڑی بڑی قربانیوں اور ایثار کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیں۔ اس لئے ہمیں پورا یقین ہے کہ مصر کے ان خادمان دین و ملت کی یہ قربانیاں انشاء اللہ اسلامی تحریک کی مزید آبیاری و شادابی کا ذریعہ بنیں گی۔

اگر افخوانیوں پر کہہ تم لوٹنا تو کیا غم ہے کہ خون حد ہزار انجم سے بہتی ہے چیز پیدا

بقیہ ص ۳۱ - کس صول پر قائم کئے جائیں۔ علیہ اور انتظامیہ کے درمیان کیا تعلق رکھا جائے۔ مالگذاری و محاصل حکومت کی شرح کیا ہو۔ و قس علیٰ ہذا۔ خدا ترسی اور تحفظ حقیقہ آخرت کے بعد بشتار مناقشات از خود غم ہو جائیں گے۔ اور نفس و شیطان کے بھر کاٹے ہوئے فسادوں پر ہر گز جا نیگی۔
(مصدق)

وہ جن کو تاریخ نہیں بھلا سکتی

حسن المصیبی مصر میں برطانیہ تسلط کے سخت خلاف تھے۔ اور ان کا مطالبہ یہ تھا کہ برطانوی افواج غیر مشروط طور پر سوئیتز کو خالی کر دیں۔ مصر و برطانیہ کے معاہدے پر انھوں نے اسی وجہ سے تنقید کی۔ کہ اس میں برطانیہ کے دوبارہ واپس آنے کی شرائط موجود تھیں اور اسی معاہدے پر یہ تنقید ہے جس کی وجہ سے وہ اور ان کے ہزاروں ساتھی آج قید دہلی کی تھیں، جیل میں ہیں۔

حسن المصیبی کو جیل میں سخت اذیتیں دی گئیں۔ لیکن انہوں نے پورے ممبر کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ جب عدالت میں سرکاری وکیل نے ان کے لئے سزائے موت کا مطالبہ کیا تو وہ سزا سننے اور کہا:

”زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمتا میں اپنے مرے کا دفاع کرنا نہیں چاہتا۔ صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں بے گناہ ہوں۔“

عبداللہ اور عودہ شہید ۳۴ سال۔ بیسویں صدی میں عہد صحابہ کی یاد تازہ کر دینے والے مصر کا وہ مفکر و مجاہد تھے۔ دار پر چڑھا اور اس کے ہونٹوں پر یہ اشعار تھے:

”میں بتر پرروں یا میدان کا۔ اور میں بتر پرروں کا۔“

”میں یا قید میں، اس۔“

”مجھے ملنا تھا اللہ ہی سے ہے۔“

اور وہ اللہ کا اس بات پر شکر ادا کرتا تھا کہ اسے شہادت کی موت بخشی۔

عبداللہ اور عودہ شہید ۱۹۵۵ء تک مسطورہ میں ایک جگہ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک مقدمہ میں اخوان المسلمین کو بری قرار دیا۔ وہ جب اس کی اپیل بالائی عدالت میں کی گئی تو انہوں نے جج سے استعفیٰ دیدیا۔ اور

ڈاکٹر حسن المصیبی بر اخوان المسلمین کے مرشد عام حسن المصیبی کی عمر ۳۴ سال ہے۔ مصر کی عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ لیکن اس کے بعد انکی صحت اور عمر کے پیش نظر اسے سزائے عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس لئے کہ جمال ناصر کی حکومت کو پھانسی کے لئے صحت مند اور نوجوان آدمی کی ضرورت تھی۔

آج کل وہ قودہ جیل میں ہیں۔ اور سزائے عمر قید کاٹ رہے ہیں۔ انہیں مرد سمجھ کر شہ کو دہاں بٹریاں اور ہتھکڑیاں پہنا کر پہنچا دیا گیا۔

اخوان المسلمین میں باقاعدہ شامل ہونے سے پہلے وہ مصر کی ہائی کورٹ میں جج تھے۔ یہاں انہوں نے اپنے کردار اور قانونی اسکے مطالعہ کی وجہ سے کافی شہرت پیدا کر لیا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں وہ مرشد عام منتخب ہوئے۔ اور انہوں نے فیشن لی تو چیف جسٹس نے ہمت اصرار کیا۔ اس کے باوجود انہوں نے فیشن لی اور اپنے آپ کو تحریک اسلامی کے لئے وقف کر دیا۔

حسن المصیبی ۱۔ ان کے ارادے داغ سیرت رکھنے۔ آدمی ہیں۔ آپ قرآن سے غیر معمولی تعلق کی بنا پر اخوان میں بھی اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ ان میں قرآن سے شغف بڑھے۔

مصر کی انقلابی حکومت کے بارے میں ان کی پالیسی یہ تھی کہ ان کے ہر اس کام میں تعاون کیا جائے جو وہ قوم کی بھلائی کے لئے کرے۔ لیکن ہر جاوے جا بات میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ جب جمال ناصر نے ”معاذ آبادی نامی ایک پارٹی بنائی اور اخوان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس میں شامل ہو جائیں تو حسن المصیبی نے انکار کیا۔ لیکن یہ کہا کہ ہم ہر نیکی کے کام میں اس کا ساتھ دیں گے۔“

”مجھے پچانسی دیکو یا گولی مار دو۔ مگر مجھ سے ایسی بات نہ کہو“

گو اہی دیتے ہوئے انھوں نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا کہ حسن الفیصلی کا کسی قتل کی کسی سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ رضیعی صاحب کی یہ خاص ہدایت تھیں کہ قتل کرنے کی روح کو سرے سے ہی ختم کر دیا جائے۔

سلام ہوائی کے اس بندے پر جس نے اس کے دین کی راہ میں استقامت کا ثبوت دیا۔ اور آخر وقت میں مخالفوں کی مغفرت کی دعا مانگ کر رحمت اللعلین کی سنت کو تازہ کر دیا۔ جنہوں نے طائف میں انکو پتھر مار کر لومہاں کر دینے والوں کے حق میں دعا کی تھی، کہ اے اللہ ان لوگوں کو معاف کر دے کیونکہ یہ نہیں جانتے۔“

محمد فر علی علیہ الرحمۃ: ہر قرظی علیہ الرحمۃ
انہوں نے مسلمان کے بانیوں میں تھے۔ حسن البنا شہید کے ساتھ ابتداء ہی سے کام کیا ہے۔ اور ان کے معتمد علیہ رہ چکے ہیں۔ انہوں نے مجلس عاملہ کے رکن اور انہوں کی اسمبلی کی شاخ کے صدر تھے۔

۱۳۸۰ء میں جب انہوں نے مسلمان کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا تو اس وقت بھی فراغی پر دہشت پسندی کے الزام میں مقدمہ چلا۔ مگر عدالت نے انھیں بری قرار دیا۔

۱۳۸۰ء میں جب مصر کی جنگ آزادی لڑی گئی تو اس میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اور اس سلسلہ میں فراغی نے گوریل دھمکتوں کی تنظیم کی۔ اور انگریزوں کو پریشان کیا۔

مشطہ سوئیر میں ان کا دلیرانہ جہاد گزشتہ کئی سال سے انگریزوں کیسے بڑا درد دوسرے بنا ہوا تھا۔ اور اب جلال ناصر کی حکومت نے انگریزوں کو اس درد دوسرے نجات دے دی ہے۔

جذبہ ایمانی کا عالم اس اظہار مسرت سے ہوتا ہے۔ جو نہ نزلے ہوئے پہلے کہہ سکتے تھے۔ پچانسی کے تختہ پر اس پہلے بھی وہ

مقدمہ جیتا۔ اور اس طرح سے اپنے ہی فیصلہ کی توثیق کرائی۔

اس کے بعد وہ انہوں نے مسلمان میں باقاعدہ شامل ہو گئے
۱۳۸۰ء میں انہیں نائب مشورہ عام منتخب کیا گیا۔

۱۳۸۰ء کے شروع میں جب انہوں نے پابندی لگا کر اس تمام کارکن گرفتار کر لئے گئے تو انہیں گرفتار نہیں کیا گیا۔ اور اس زمانہ میں انھوں نے قیادت کے تمام فرائض انجام دیے۔ لیکن جب جلال ناصر فوجی آمریت برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا تو قاہرہ میں مظاہرہ ہوا۔ عودہ شہید نے اس کی قیادت کی۔

۲۷ اکتوبر کو انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ عدالت میں مقدمہ چلا گیا۔ اور انھیں پچانسی کی سزا سنائی گئی۔ اور نہ سمجھ کر کوآلڈ کے دین کا یہ خادم جہاد کر دیا گیا۔

عودہ شہید ایک دہرہ مسلمان بنے ہوئے مسلمان تھے۔ اسلامی قانون کا جیسا کہ تمام اعلیٰ مطالعہ و دستہ قوانین کے ساتھ انھوں نے کیا تھا، اس دور میں کسی اور نے نہیں کیا۔ اسلام نے قانون فوجداری پر آٹھ سو صفحہ کی جو کتاب انہوں نے لکھی ہے، اس کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ انہوں نے کئی دوسری کتب بھی لکھی ہیں جو بے نظیر ہیں۔

شہید راہ حق یوسف طلعت: راہ حید کا بارش تابو
۲۷ سالہ یوسف طلعت جس سے مصری حکام پریشان ہو چکے تھے۔ اور جنہوں نے اپنی چوس انتقام پوری کرنے کے لئے اسے پچانسی کی سزا دی۔ لیکن وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں تختہ دار پر چڑھتے وقت بھی اپنے دشمنوں کے لئے دعا مغفرت مانگ رہا تھا۔

یوسف طلعت جب عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے تو مصری حکام کی دی ہوئی سخت جسمانی اذیتوں کی بنا پر ان کے جہرے پر نشان تھے۔ ایک آنکھ کافی تھی۔ اور دوسری کا یہ عالم تھا کہ وہ کھڑو ہو کر گواہی نہ دے سکے۔ ان کے داخل ہوتے ہی صدر عدالت نے یہ کہا کہ ہم نے درمیان آج ایک ایسا شخص ہے۔ جس نے مصری عوام اور حکومت کے خلاف سازش کی۔ یوسف طلعت اسے برداشت نہ کر سکے۔ اور کہا: ہر

قرآن مجید اور دستور حکومت

از مولانا عبدالمجید صاحب مدد میر صدق

پڑوس کی مملکت میں ایک بار پھر یہ بحث چھڑ گئی ہے۔ کہ اس اسلامی حکومت کی بنیاد قرآن مجید پر ہو یا کسی اور قانون پر ؟ بات بچائے خود یا نکل صاف اور سیدھی ہے۔ اور سوال میں ہرگز کوئی پیچیدگی نہیں۔ اختلاف کی ہنگامہ آرائیوں کا سبب صرف یہ ہے کہ اصل سوال ہی کو سر سے نہیں سمجھا گیا ہے۔ یا یوں کہتے کہ ہر فرقے نے اس کے معنی دوسرے فرقے سے بالکل الگ لئے ہیں۔ اور اس نے شدید غلط بحث پیدا کر دیا ہے۔

آج اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان بچوں کی تعلیم کی بنیاد قرآن ہی ہونا چاہئے۔ تو کیا کوئی اس کے یہ معنی لے گا کہ فن تعلیم و تربیت پر اب تک جتنی کتابیں اہل فن نے لکھی ہیں، سب بیکار ہو گئی ہیں۔ اور اہل تجربہ نے اپنے تجربات جو سینکڑوں قاعدہ و ضابطے تعلیم سے متعلق تیار کئے ہیں وہ سب آگ میں جھونک دینے کے قابل ہیں ؟ یا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اسلامی ملک میں معاشیات کی بنیاد قرآن پر ہے۔ تو کیا کوئی غبی سے غبی شخص بھی اس سے مراد یہ دیکھا کہ قرآن مجید کی آیتوں میں مینزانیہ تجارت دہلیس آف ٹریڈ بھی لے جائیگا ؟ اور اشیائے تجارت کی برآمد و درآمد کی تفصیلات بھی درج ملیں گی ؟ اور ملک کی جنگی، ڈیوٹی کسٹم وغیرہ کے سارے ضابطے لکھے لکھائے مل جائینگے ؟ قرآن کی جامعیت یا کاملیت کے یہ معنی لینا قرآن کے ساتھ تسخیر کیا اپنی سادہ لوحی کائنات دینا ہے۔ دنیوی علوم و فنون کی جو تقسیم کی گئی ہے، قرآن میں سے ہرگز کسی علم و فن کی کتاب نہیں۔ وہ جس طرح نہ طب کی کتاب سے نہ منطق کی ریاضیات کی نہ جغرافیہ کی۔ اسی طرح نہ ملکی قانون کی ہے، نہ بین

الملک قانون کی اور نہ سیاست کی۔ وہ ان سب بلند تر ہے۔ اس کا موضوع فرع انسانی کی ہدایت ہے۔ یعنی ان چیزوں کی تعلیم و تبلیغ جن سے اس دنیا اور اس کے بعد آنے والی دنیا کی زندگیاں بہتر سے بہتر طریقہ پر میر ہو سکیں۔ اور اس کے اصولی جزو کل ڈو ہیں۔

(۱) بندہ کا تعلق خدا سے۔
(۲) بندہ کا تعلق دوسرے بندوں سے۔

اس کا اصل موضوع انہیں دو گونہ تعلقات کی اصلاح اور ان کا سلہا لانا اور سلوا تانا ہے اور بس۔

اب جہاں تک قانون ملکی کا تعلق ہے اس نے اپنے اسی موضوع کی مناسبت سے اور اس کا تحت چند موٹے اور عام اصول بیان کر دیئے ہیں۔ مثلاً۔

(۱) اپنے والی حکومت کی اطاعت کرو۔
(۲) بغاوت نہ کرو۔
(۳) ملک میں فساد نہ پھیلاؤ۔ وغیرہ

اور چند عمومی جرائم کا نام لیکر ان کی سزائیں بیان کر دیں۔ مثلاً۔

(۱) خون ناحق کی سزا قتل ہے۔ (۲) زنا کی سزا جمیع عام میں شتو تازیانے ہیں۔ (۳) چور کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ (۴) اتمام زنا کی سزا شتو تازیانے ہیں۔ وغیرہ

لیکن ناش نے چھوٹے بڑے سارے جرائم کی کوئی فرست تیار کی ہے اور نہ فوجداری و دیوانی سے متعلق قانونی جزئیے ہی مکمل طور پر پیش کئے ہیں۔

موٹے اصول بنا کر اور چند اہم مثالیں دیکر کہتی اس نے

رسائل و مسائل

احادیث

سوال : ہم زید نے لاہور کے ایک تاجر سے ۵ ہجریں پکڑیں تھانوں کی ایک گانٹھ بندھی بندھائی خریدی۔ اس وقت یہ بات طے ہوئی کہ اس گانٹھ میں پالیس تھان ہیں اور سورہ سوکر کپڑا بتا ہے۔ سورہ پیکہ صاف ہے ہر تھان پچاس روپیہ ہے۔ دو ہزار روپیہ زید نے ادا کر لئے۔ ابدال خرید کر واد کر دیا۔ اپنی دکان پر جا کر مال کھولا تو اس میں پالیس تھان نکل آئے۔ اور مجبور ہو کر دس کے اعتبار سے بھی اسے گڑ کپڑا زادہ لگیا۔ بعض کا اندازہ ہے تو مشورہ دیا کہ چار کیا بات ہے۔ آپ نے تو سالم گانٹھ خریدی ہے یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ زائد تھان نکل آئے۔ اگر کم نکل آتے تو وہ کب دیتا۔ لہذا یہ سارا تیرا حق اور تیرے لئے جائز ہے۔ مگر زید خدا ترس آدمی ہے اس نے اپنے امام مسجد سے مسئلہ پوچھا۔ اس نے کہا کہ جب تم نے آپسین بوقت بیع و شراء پالیس تھانوں کا نام لیکر معاملہ کیا ہے اور اب وہ گانٹھ پالیس کی ہے۔ تو گویا وہ تھان بیع ہی نہیں تھے۔ وہ بائع کا حق ہے لیکن اب یہ تعین تو نہیں ہو سکتی کہ غیر بیع تھان کو نہ تھے۔ لہذا اجالت بیع کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔ ساری گانٹھ واپس کر دو۔ اور چاہو تو از سر نو بیع کر لو۔ اور امام صاحب مسجد نے ہدایہ کی عبارت پیش کی ہے۔

زید شریعت کے حکم کو بہ سر دشمن قبول کرتا ہے مگر عملی طور سے اس میں ایسا نکال ہے۔ اگر بیع کو فاسد مان کر یہ گانٹھ واپس کر دیا جائے تو لاپرواہی سے بیع خود ایک تکلیف اور مزید خرچ کا موجب ہے۔ اور اگر کپڑا بیاہ پڑا ہے اور لاہور کے تاجر کو کھٹا جائے کہ شرعی طور سے ہمارا سابقہ معاملہ فسخ ہو گیا ہے۔ از سر نو فروخت کر دو۔ تو قیمتوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے شاید پھر وہ اس نرخ پر آدہ نہ ہو۔ اور زید کو قریباً اس نرخ کی خسارہ ہو گا۔ آپ بتائے کہ زید کیلئے کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ گویا وہ تھان اس کے لئے اس میں حلال ہیں، یا تمام بیع فسخ

ہو گئی ہے۔ ساری گانٹھ کا سودا اس کو کرے یا صرف دو تھان بائع کو واپس کر دے یا اس کا علیحدہ پھر سودا کرے۔ اور پالیس تھان کی بیع درست ہے ؟

اجواب : ہر جن دکانداروں نے پیشورہ دیا ہو کہ پالیس تھان اسی فن میں زید کے ہو گئے انہوں نے ناجائز مشورہ دیا ہے۔ مسلمان کا اندازہ کے لئے یہ زیادتیوں کے اس طرح ناجائز طریقہ سے کسی کا مال غنم کر جائے۔ لانا کا دلا موالکم بینکم بالباطل۔ قرآن مجید کا صریح فرمان ہے۔ آج کل کے اکثر مسلمان تاجروں کی اس منہایت پرافسوس ہوتی ہے کہ وہ تجارت اور معاملات میں جائز و ناجائز کا کوئی فرق نہیں کرتے۔ بالکل غیر مسلموں کی طرح ہر پابندی سے آزاد و محفوظ حصول زر میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ زید کو جزائے خیر دے کہ اس نے ان کا یہ مشورہ شر و گناہ قبول نہ کیا۔ اور تجارتی معاملہ میں ایک ظالم کی طرف جمع کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یق اللہ یجعل لہ فیضاً جباراً جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور مشکلات اور پیچیدہ حالات میں بھی ناجائز سے بچائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس مشکل سے باہر نکالے گا کوئی جائز اور مفید راستہ بنا دیتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں زید کیلئے بھی اس مشکل سے نکلنے کا راستہ موجود ہے۔ اگر کوئی شخص حرام سے بچنے کے لئے حضرت پویمف علیہ السلام کی طرح بے تحاشا دھڑے اور اپنی حد تک ممکن سعی میں کوتاہی نہ کرے تو ہر طرح کے بند و بار سے کھلتے اور مضبوط سے مضبوط قفل بھی ٹوٹ کر گر جایا کرتے ہیں۔

امام مسجد صاحب زید کو جو فتویٰ دیا ہے اگرچہ اصولاً درست ہے، لیکن اگر وہ محض ہدایہ کی عبارت پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ شامی وغیرہ شروح و حواشی کو بھی مطالعہ فرماتے۔ نیز ان میں

مشینی صنعت کا بھی خیال رکھتے کہ ایک خاص قسم کے کپڑے کے سارے
تھان اس دور میں بالکل ایک برابر شمار ہوتے ہیں۔ لہذا وہ حکماً ذات
الاشمال ہی میں شامل ہیں۔ تو شاید وہ زید کے لئے جواز کی آسان صورت
سمجھا سکتے۔ بہر حال آپ مسئلہ کی اصل حقیقت باحوالہ سمجھ لیجئے۔
جب بوقت فروخت چالیس تھان جن میں سولہ گز کپڑے، بیچ
قرار دیا گیا تھا اور پچاس روپیہ میں تھان کے حساب سے دو ہزار روپیہ میں
چالیس تھانوں کا ادکار دیا گیا تھا، تو ایسی صورت میں صرف چالیس
تھان ہی زید کا حق ہے۔ اور دو تھان جو باقی ہیں وہ زید کے تاجروں کے
حق ہے۔ آجکل ایک قسم کے کپڑے کے تھان سائے ایک سیسے
قرار دئے جاتے ہیں۔ اور ان میں اگر خارجی عیب نہ آیا ہو جس کا حکم
علیحدہ ہے تو فیسے تمام تھان برابر ہوتے ہیں۔ لہذا اس صورت
میں بلا شک سابقہ بیچ چالیس تھانوں میں باقی ہے۔ زید لاہوری
تاجر کے لئے دو تھان علیحدہ کر کے باقی تھانوں کو اپنا سمجھے۔ اور
جو تصرف چاہے وہ کر دے۔ اور دو تھانوں کے بارے میں اس طلاع
دے۔ اور اس رو بہی رضامندی سے یا ثمن منقرکہ کے خریدے
یا واپس بھیجے یا اصل مالک جیسا کہ دے دیا کر دے۔ اور المختار میں
ہے ولو بین ثمن کلی من القتی بان قال کل ثوب
بكذا ونقص ثوب صح البیع بقدر سراح الجہالة وخیر
لتفراق الصفقة وان زاد ثوبا فسد لجهالة المزید ولو
رد الزائد او عزل مل یجل لہ الباقی خلاف، وقال الحل
الشائی بقوله ولو رد الزائد ای الی البائع ان کان حاضرا
وقوله او عزل ای اضره عند لا ان کان البائع
غائبا۔ (قوله خلاف) وفي البزازیة اشتري عدلا علی
انکرذا فوجلہ ازید والبائع خائب یعزل الزائد وليستحل
الباقی لا فملکہ او کانرا مستحسان والا فالبیع فاسد
جهالة المزید وقہ صح فی الخانیة والقنیة بان یجل
ال فیہ استحسن ان یعزل ثوبا من ذلك وليستحل

البقیة وفيها قبله اشتري شيئا فوجلہ ازید یل فع الزائد
الی البائع والباقی حلال لہ فی التلیات وفي ذوات القیم
لا یجل لہ حتی یشتري منه الباقی الا اذا كانت تلك الزائد
ملا تجری فیہا الصفقة فیستحل یصل راہ وهو یتقنی
عدلا محل عند غیبة البائع بالادلی قہو محارص لما
تقد مر اہ ما فی شرح المصنف وهو ما خود من البیہ
ويمکن دفع المعارضۃ بجل الثاني علی القیاس فلا ینافی
ما مر انہ استحسان ویظہر منہ ترجیح ما مر کن ذکرہا
الاستحسان فی صورتہ غیبة البائع قال فی الخانیة فان
غاب البائع قالوا یعزل المشتري من ذلك ثوبا وليستحل
الباقی وهذا استحسان اخذ بہ یجل نظر المشتري اہ
ای لانہ عند غیبة البائع یلزم الضرر علی المشتري لیسلم
الانتفاع بالبیع الی حضور البائع وربما لا یحضر او تطول
غیبتہ فلذا استحسن یجل عزل ثوب واستعمال الباقی نظر
للمشتري وهذا لا یجری فی صورتہ حضور البائع لا مکان
تجدید العقد معہ فالظاهر بقاء علی القیاس وبہ
ظہر نہ لا معارضۃ بین الکلامین وان ما ذکرہ
الشارح من اجراء الخلاف فی الصورتین غیر محرم
فافہم دسامی ج ۲ ص ۳۳ و۔

مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں زید کے لئے تو بالکل جائز
ہے کہ دو تھان علیحدہ کر کے باقی کو اپنا ملک سمجھ کر استعمال میں لے لے
کیونکہ بائع غائب ہے۔ لیکن اگر تسلیم کہ مشین کا چارہوا کپڑا آجکل
ذوات الامثال کے حکم میں ہے۔ جبکہ خاص نمبر کا اور خاص رنگ
کا کپڑا ہو۔ مثلاً ۱۰ یا ۱۱ یا ۱۲ یا ۱۳ یا ۱۴ یا ۱۵ کا
لٹھ۔ تو اس صورت میں بائع کے حاضر ہونے کی صورت میں
بھی مسئلہ یہی ہے گا، کہ زائد تھان مشتری واپس کر دے اور باقی
استعمال میں لے لے۔ امید ہے کہ اس تفصیل سے پوری بات

میرد ما بقی ویرجج بققصان ما اکل وعلیہ الفتویٰ اختیار
وقہستانی . علامہ شامیؒ نے اس قول کی تشریح تفصیل
کر کے اور فقہاء کی عبارات نقل کر کے لکھا ہے والیٰ حاصل
انہما قولان مصححان ولكن صحوا قولہما بان علیہ
الفتویٰ ولفظ الفتویٰ آكد الفاظ التصحیح ولا سیما هو
ارفق بالناس كما یأتی فلذل الاختیار للمصنف فی متنہ
(شامی جلد ۴ مش ۸)

ایسی صورت میں کہ بعض مبیع کھایا ہو اور بعض
باقی ہو تو باقی واپس کرے اور ماکول میں رجوع بالنقصان
کرے۔ اس باب میں امام ابو یوسفؒ کا قول تو یہ ہے کہ باقی
ماندہ کو واپس نہ کرے بلکہ کل مبیع کے نقصان کا اندازہ بائع
سے واپس کرے۔ مثلاً صورت مذکورہ بالا میں سیرگھی واپس نہ
کرے۔ بلکہ دوکاندار سے دو روپیہ واپس کراے۔ اور امام محمدؒ
کے ہاں باقی واپس کرے اور صرف کھائے ہوئے میں نقصان
کا اندازہ واپس کراے۔ اور صاحب درمختار نے اس قول پر
فتویٰ دیا ہے۔ وعنہما یرد ما بقی ویرجج بققصان ما اکل
وعلیہ الفتویٰ اختیار وقہستانی۔ درمختار کے اس قول پر
علامہ شامیؒ نے طویل حاشیہ لکھا ہے۔ اس میں ہے وذلک
فی شرح الطحاوی ان الاولی قول بابی یوسف والثانیۃ
قول محمدؒ کما فی الفقہ واما عند الامام فلا یرد ما بقی
ولا یرجج بققصان ما اکل ولا ما بقی کما فی الذخیرۃ
والفتویٰ علی قول محمدؒ کما نقلہ فی البحر عن الاختیار
والخلاصہ ومثلہ فی النہایت وغایت البیان ویجاء
الفصولین والثانیۃ والختی فلذل اقتصر علیہ الشارح
..... وکان الفقہ ابو جعفر والیٰ الیث یفتیان
فی ہذہ المسائل بقول محمدؒ سابقا بالناس واختارہ
الصدیق الشہید۔ (شامی ج ۴ ۸۷)

اچھی طرح سمجھ میں آئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور سارے
مسلمانوں کو معاملات میں بھی شرعی احکام کی پوری پوری پابندی
کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال : مرنے ایک کاندار سے دو سیرگھی پانچ روپیہ سیر
حساب سے خرید لیا۔ بازار میں عام طور سے یہ نرخ غالص گھی کلیم
اور بکرنے یہ سمجھ کر لیا تھا کہ یہ عمدہ اور غالص گھی ہے۔ دکاندار
اس وقت زبان سے کچھ نہ کہا تھا۔ مگر گھی لے آیا۔ اور اس میں سے
قریباً ایک سیر وہ استعمال کر چکا کہ اسے اندازہ ہوا کہ یہ گھی غالص
نہیں بلکہ اس میں ناپستی کی ملاوٹ ہے۔ اس نے اگر دکاندار
ملاوٹ کی شکایت کی۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا کہ نہیں کوئی ملاوٹ
نہیں۔ لیکن آخر اس نے اقرار کیا اور مان لیا کہ ملاوٹ ہے لیکن
میں نے نہیں کی ہے۔ مجھے خود ہی ایسا ملا ہے۔ اب بکر کتنا ہے
کہ بازار میں اس طرح آمیزش والا گھی تو چار روپیہ سیر فروخت ہوتا
ہے۔ لہذا اس کھائے ہوئے ایک سیر کے حصہ میں تو ایک
روپیہ واپس کر دو اور یہ باقی گھی واپس لیکر پانچ روپیہ اس کا ثمن
دید۔ مگر دکاندار کہتا ہے کہ نہ میں گھی واپس لیتا ہوں نہ روپیہ
واپس کرتا ہوں۔ دونوں کا تنازعہ بڑھ رہا ہے۔ شرعاً اس کا
کیا فیصلہ ہونا چاہیے ؟

الجواب : مرنے دکاندار نے اقرار کر کے تسلیم کیا کہ گھی
میں واقعی اتنی آمیزش ہے۔ خواہ اس نے کی ہو یا پہلے کی آئی
ہو، جس سے قیمت چار روپیہ ہو جاتی ہے تو اب اس کو
چاہیے کہ جب بکر مطالبہ کرتا ہے تو ایک سیر گھی واپس لے کر
اس کا حصہ ثمن پانچ روپیہ بھی دیدے۔ اور کھائے ہوئے
سیر گھی کے حصہ میں ایک روپیہ نقصان کا بھی واپس کر دے۔
یعنی بکر کا مطالبہ درست ہے۔ فی الدعا المختارہ او کان
البیع طحاما فاکلہ او بعضہ فان یرد رجوع
بالنقصان استحسنانا عندہما وعلیہ الفتویٰ مجتہدا

اس موقع پر ایک تفصیل بھی ضروری ہے جسکی طرف سوال میں تو صریحاً قرض نہیں کیا گیا۔ لیکن چونکہ فقہاء کرام نے تفصیل بیان کر دی ہے لہذا مسئلہ کی پوری حقیقت واضح کرنے کیلئے اس فرق کا بیان کرنا ضروری ہے۔ سوال میں تو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک سیر گھی بکرنے استعمال کیا۔ اب استعمال کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صرف بکری نے وہ ایک سیر گھی کھایا ہو۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنے بچوں کو بوی کو جانوں اور دوستوں کو کھلایا ہو۔ ہم نے مندرجہ بالا سطروں میں جو حکم لکھا ہے کہ وہ ایک روپیہ نقصان کا دکاندار سے واپس کر سکتا ہے، یہ اسی صورت میں ہو جب کہ گھی اس نے خود کھایا ہو۔ فقہاء کرام کے ہاں رجوع بالنقصان اس صورت میں ہے کہ خود کھایا ہو۔ اور اگر استعمال کی دوسری صورت ہے تو پھر ایک روپیہ دکاندار سے واپس نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر مثلاً پاؤ بھر خود کھایا ہے تو پاؤ بھر کے ۴ روپے کر سکتا ہے چنانچہ درختار میں ہے: ادا طعمہ طفلہ او امرأۃ او مکاتبہ او ضیفہ لا یرجع بشئ لا متناع الرد بفعلہ۔ (پاش شامی ج ۲ ص ۴۷)۔ اور علامہ شافعی نے ادا طعمہ عبداً کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے، بخلاف ما اذا طعمہ طفلہ و ما عطف علیہ مما سیاً فی حیث لا یرجع لان فیہ حبس البیع بالتملیک من ھولاء فانہم من اھل الملک اھ (ج ۲ ص ۴۷)۔ اور یہ فرق ایک خاص فقہی اور قانونی غلطی کی بنا پر ہے۔ اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ ہاں جو ایک سیر باقی ہے اس کو واپس کر دینے کا حق امام محمد کے قول مفتی ہے کے مطابق اب بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم و علیہم السلام۔

سوال : مریاں بازار میں بعض دکاندار کپڑوں کے ایسے تھان فروخت کرتے ہیں جن پر جوڑا نہ لکھا ہوا ہوتا ہے، واقعی

میں تھان کی ایک مقدار اس سے کم ہوتی ہے۔ تھان کو تو وقت ۱۰ گز کی بجائے ساٹھ پندرہ گز کے انداز سے اسکی تھیں بنا لیتے ہیں۔ اور اس طرح ۲۰ گز کی تھیں بنا کر تھان پر ۲۰ گز کلمہ لیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ ۲۰ گز یعنی سو گز کم پڑا ہوتا ہے۔ خریدار پر فروخت کرتے وقت فی گز کے حساب سے نرخ مقرر کر کے ۲۰ گز کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو دھوکہ ہے تو وہ تاویل کرتے ہیں کہ تھان آٹکھوں کے سامنے موجود پڑا ہوتا ہے، ہم تو اسی کو اشارہ کر کے کہہ دیتے ہیں کہ اس موجودہ تھان کی اتنی قیمت گئی۔ مثلاً یہی جھک میں بھی لکھتے ہیں کہ فلاں پڑا ایک تھان پچاس روپیہ۔ لہذا یہ کوئی دھوکہ نہیں۔ تو کیا اس طرح جھینا شرعاً جائز ہے، اور یہ تاویل درست ہے ؟

الجواب : اس قسم کے تاویل گروں کے سامنے بل سہولت نکمہ انفسکم امرأ، پڑہ لینا چاہئے۔ اور قرین لہم الشیطن اعمالہم کے مصداق ہیں۔ جب وہ خریدار کے ساتھ فی گز حساب قریع کر لیتے ہیں اور پھر چالیس گز کے حساب سے قیمت جوڑ کر پورے چالیس گز کا ثمن وصول کر لیتے ہیں تو اب اس بائع کے ذمہ لازم ہے کہ خریدار کو چالیس گز کپڑا دیدے۔ یہ اوپر لکھا ہوا ۲۰ گز دکھا کر اس خریدار کو یقین دلاتا ہے کہ یہ تھان پورا ۲۰ گز اور نیرے حق کے برابر ہے۔ حالانکہ وہ واقعہ میں سو گز کم ہوتا ہے۔ تو یہ بلا شک دھوکہ اور فریب ہے۔ اور سو گز کپڑا دکاندار کے ذمہ باقی ہے۔ اور عند اللہ وہ اس حق ماری پر ماخوذ ہوگا۔ اگر اس پر ۲۰ گز لکھا ہوا نہ ہو اور فی گز کے حساب سے نرخ لگا کر حساب نہ جوڑا جائے۔ بلکہ تھان خریدار کے سامنے پڑا ہوا ہو اور دکاندار اشارہ سے متعین کر کے کہہ دے کہ دیکھو بھائی یہ ایک تھان ہے اسکی قیمت پچاس روپیہ ہے۔ خریدنا چاہو تو خریدو۔ وہ منظور کر کے خرید لیتا ہے تو پھر البتہ جائز ہوگا۔ تھان ۲۰ گز سے کم ہو یا زیادہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ مع جب مشائخ علیہ

طلب منہ الخطۃ لیاخذہا وقال لبا تع غدا اذفع لك و
لم یجبر بینہما بیع وذهب للشتري فجاءو غدا لیاخذ
الخطۃ وقد تغیر السحر فعمل البائع ان یدفعها بالسحر الاول
الخ۔ (شامی ج ۳ ص ۱۲۷)۔ عبارت مندرجہ بالا کی تصریح کے
مطابق بیع منعقد ہوئی ہے۔ اور دکاندار اسی نرخ پر ۲۰ من چاول
فروید کر کو دیدے۔ اب انکار نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

اور سامنے موجود ہو تو اسکی مقدار کا معلوم ہونا جواز بیع کے لئے
ضروری نہیں۔ قال فی البحر قولہ غیر مشار الیہ قید فیہما
لان للشار الیہ مبیعا کان ارضا لا یتحتاج الی معاينة قدر
ووصفہ فلو قال بعتك هذه الصبرة من الخطۃ او
هذه الكورجة من الاسر والشاشاتہا وہی مجهولۃ الحد
بحد الدارہم التي فی یدك ومزینۃ لہ فقبل جاز ولزم
لان الباقي جہالة الوصف ای القدر او هو لا یضی اذ لا
یمنع من التسليم والتسلم ۱۵ (شامی ج ۳ ص ۱۲۷)۔

سوال :- ایک دکاندار جو چاول کا کاروبار کر رہا ہے۔ اسکی پاس
دکان میں قریباً ۲۵ پوری چاول کے موجود تھے۔ بکرا سکی دکان پر
آیا اور پانچ سو روپیہ اسکو دیئے اور دکاندار نے چاول خریدنا چاہتا ہوا
آپ کیا بھاؤ دے رہے ہیں۔ دکاندار نے کہا میں روپیہ من۔ بکر کو یہ
نرخ منظور تھا، اسے معلوم ہوا تھا کہ دو تین روز سے نرخ کچھ بڑھ
گیا۔ لہذا اس نے یہ نرخ مناسب سمجھ کر مزید کچھ نہ کہا اور دکاندار سے
کہدیا کہ اچھا تو پھر آپ مجھے قول دیجئے۔ دکاندار نے کہا کہ کل میں
آکر لے جانا۔ مزید کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ بکر گیا۔ اور دوسرے روز سن
آکر کہا کہ مجھے ۲۵ من چاول لول دیجئے۔ دکاندار کو چہ لگ گیا تھا
کہ دو روپیہ من نرخ بڑھ گیا ہے۔ لہذا اب وہ دینے سے انکار کرنا
رہے۔ اور کہتا ہے کہ چاری تو یونی گفتگو ہوتی تھی قطعی بیع تو
نہیں ہوئی تھی۔ بکر مطالبہ کرتا ہے کہ نہیں پوری بیع ہوئی تھی
اور میں نے محض آپ کی زبان پر اعتماد کیا کہ کل ادا کر دوں گا۔ لہذا میں
واپس چلا گیا۔ بتائیے کہ شرعاً ان دونوں کے جھگڑے کو کس طرح
چکا یا جائے ؟

اجواب :- نرخ قسمنی سے بعینہ یہی مسئلہ علامہ شامی نے
نقل کیا ہے۔ ہم وہی عبارت نقل کرتے ہیں۔ وفي القنیۃ دفع
الی بائع الخطۃ خمسۃ دنانیر لیاخذ منہ خطۃ وقال
بکم یقیعہا فقال مائة دینار فسکت للشتري ثم

بقیہ ص ۱۲۷۔ اور ارشاد فرمایا گیا ہے :-
اعلموا انما الخیوالد نیا
لعب لہو وزینۃ و تعافیر الخ
وتکا شرفۃ الاموال
والا ولاد ط
والخیوالد نیا الامتاع الخ
تو کیا ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان دینیوی زندگی کی تمام
رونقوں اور ترقیوں اور آرام و راحت کے جائز سامان کو بھی چھوڑ دیا کرے
گوشت نشین بن جائیں۔ اور اس زندگی کے ہر سامان کو دھوکا کا سامان
سمجھ کر اور لہو و لعب یقین کر کے مقوی غذائیں، جذبہ جاں فروشی
پیدا کر نیوالا گوشت اور اس قسم کی دوسری تمام چیزوں سے اجتناب کریں۔
برق صا حب کے بتائے ہوئے انداز بیان کے مطابق تو یہی کہنا ہوگا
کہ نعوذ باللہ من ذلک، مسلمانوں کو اس دنیا میں ترقی حاصل کرنے
اور دنیا کی رونق و ہمارے متعلق ہونے پر محرم نہ رکھنے کے لئے کسی
دشمن اسلام نے یہ آیتیں قرآن مجید میں داخل کر دی ہیں۔ تاکہ مسلمان
متاع الغرور سمجھ کر دنیا کی ہر چیز سے پرہیز کریں۔ اور کائنات کی ساری
چیزیں صرف کافروں ہی کیلئے مخصص ہو جائیں۔ اگر ایسا نہیں
داور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں۔ اور ان آیات کا مطلب ہرگز یہ نہیں
تو پھر جس طرح برق صا حب محض ظاہری ترجمہ کی بنا پر یہاں فیصلہ
نہیں کرتے اور نہیں کرنا چاہتے۔ تو پھر کیا یہ بے انصافی نہیں کہ موطا
امام مالک کی احادیث پر بالکل سرسری نظر ڈالکر سچے سچے بغیر

اعترافات ہونے اور نور احکم صادر فرمایا کہ یہ قول کسی دشمن اسلام نے وضع کیا اور امام مالک نے (جو برق صا حب کے برابر بھی عقل و ادبیت نہیں رکھتے)

برق کے دو اسلام پر اس اسلام کی روشنی سے متصفانہ

(محترم احمد رضا عارفی لائل پور)

بلسہ اشاعت گذشتہ :-

لیلۃ القدر :- ۱۹ ص ۱۹۷ پر برق صاحب لیلۃ القدر کے بارے میں حدیث کے نظریہ پر تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ :-

”مسلمانوں کے ہر طبقے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ رمضان کے آخری ہفتے میں ایک لیلۃ القدر کھلتی ہے۔ اسکی خاص علامات یہ ہیں کہ زمین و آسمان بقیعہ نور بن جلتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز سجہ میں گر جاتی ہے الخ“

اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ سے مراد آج کل کے وہ تمام بے علم و عمل طبقات ہیں جو دین کے صحیح علوم سے ناواقف اور قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے نظام زندگی سے نا آشنا، محض رسم و رواج کے تابع ہوتے ہیں اور محض آرزوؤں اور نری تمنائوں پر جی رہے ہیں اور مسلمان کہلانے والے مغرب پسند متجددین اور اکثر و بیشتر انگریزی خوان نوجوان بھی انہی میں شامل ہیں، تو شاید ان لوگوں کے ہاں لیلۃ القدر کا یہ تصور موجود ہو۔ اور برق صاحب نے انکی زبان سے یہ باتیں سن لی ہوں۔ لیکن غلط ہے کہ اس قسم کے ”ہر طبقہ کے مسلمانوں کا خیال“ اگر غلط ثابت ہو جائے اور تین سو برس میں تو کیا تیرہ سو برس میں شب بھر جاگنے والے چوکیداروں، ریلوے ملازموں، ملاحوں ہوا بازوں کو ایسی بات نظر نہ آتی ہو کہ رات بھر تمام درخت سجدہ گر ہو گئے ہوں۔ تو آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے نا بلند ادبے علم و عمل مسلمانوں کا یہ خیال غلط ہے۔ لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تصور حدیث سے ثابت شدہ لیلۃ القدر کا ہے۔ لہذا

احادیث غلط اور دین میں قابل حجت نہیں۔ آپ کوئی ایسی صحیح حدیث نقل کر دیتے جس میں یہ لکھا ہوتا ہو تاکہ لیلۃ القدر

کی علامات وہ ہیں جو مسلمانوں کے ہر طبقے کے خیال کے طور پر برق صاحب بیان کر دی ہیں۔ نہ اس قسم کی باری تعالیٰ و علامات کتب احادیث میں ہیں، نہ برق صاحب ایسی کوئی صحیح حدیث پیش کر سکتے ہیں۔ تو پھر یہ کتنی بے انصافی اور خوف خدا سے بے نیازی ہے کہ عام لوگوں کے غلط تصورات اگر واقعہ میں ایسے ہوں خواہ مخواہ حدیث کے ذمہ لگا کر حدیث کے ابطال و تنقیص کے لئے سامان پیدا کیا جائے۔

برق صاحب بھی آخیر لیلۃ القدر کی کچھ حقیقت تسلیم کی ہے کہ کیونکہ قرآن مجید میں صریحاً اس کا ذکر آیا ہے۔ برق صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ صرف وہ رات تھی جس رات قرآن مجید نازل ہوا۔ اور اس کا مفہوم ہے ایک فیصلہ کن رات۔ یہ حدیث سے بھی ثابت ہے اور ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی قرآن مجید کا نزول جس رات کو ہوا تھا وہ رات فیصلہ کن اور نہایت بابرکت رات تھی۔ اور اسی کا نام لیلۃ القدر ہے۔ لیکن صرف وہی رات لیلۃ القدر نہیں۔ احادیث سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ رات ہر سال ایک مرتبہ لوٹ کر آتی ہے۔ اب تعین کے ساتھ یہ بات کہ پھر وہ کونسی رات ہے، احادیث میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ چند در چند حکمتوں کی بنا پر امت کے سامنے تعین کے ساتھ یہ بات ظاہر نہیں کی گئی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ زیادہ امید رمضان شریف کے مہینہ میں ہے۔ اور رمضان میں بھی زیادہ امید آخر کی راتوں میں۔ اور ان میں سے بھی طاق عدد والی راتوں میں زیادہ توقع ہے۔ برق صاحب مسئلہ پر بمثل امام مالک کی بود و حدیثیں

نقل کی ہیں اُن کا مضمون یہ ہے۔

جن مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر یقین و اعتماد تھا۔ وہ اس بارہ سے کہ لیلۃ القدر کی اس باریک اور ہزار چینوں سے بہتر رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی سعادت حاصل ہو جائے سال بھر تک ہر رات مصروف عبادت رہتے۔ وہ لوگ جس خلوص و لگن کے ساتھ سال بھر تک ہر رات اپنے آقا و مولیٰ کے سامنے سربسجود ہو رہے ہوں اور اس طرح انہوں نے اپنے قلوب کو ہر طرح کی کٹافوں سے پاک کر کے مجلی اور مصفیٰ کر دیا ہو، ان کی مادیت پر ان کی روحانیت کا غلبہ حاصل ہو چکا ہو، ان کے دلوں کی آنکھیں وا ہو چکی ہوں۔ اگر عبادت و سرائفگی کے اس دوران میں انہوں نے کسی رات مغموموں قسم کی کیفیات محسوس کی ہوں اور دیدہ دل سے انہوں نے جلوؤں کا طوفان اٹھتا ہوا دیکھا ہو تو آخر میں اس میں استبعاد و استعجاب کیسا ہے۔ اور برق صاحب اس کا مذاق کیوں اڑائیں

عذوق این نئے نہ شناسی بختا تا نہ جیشی

اگر ظاہری آنکھوں سے دیکھا جائے تو بالکل ایک دنیا اور روشن بصر شخص دیکھ کر خبر دے۔ اور بیسویں اندھے وہیں کھڑے ہوئے موجود ہوں۔ اور وہ اس کی تکذیب و تخطیط کریں اور کہیں کہ ”ہم صرف اتنا دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں“ کہ یہ عجیب بات ہے اسی مقام پر ہم بیسویں بھی تو کتنی دیر سے کھڑے ہیں وہ بالکل ہم کو کیوں نظر نہ آیا۔ تو آپ یقیناً اس استعجاب اور جرأت دریافت ”کو ان اندھوں کی حماقت اور جل مرکب سمجھیں گے۔ اور یہی کہیں گے کہ ہلال دیکھنے کیلئے جس قوت ابصار کی ضرورت ہے تم اس محروم ہو۔ لہذا ابصار سے بھی محروم ہو چکے ہو۔ اگرچہ تم وہاں کھڑے ہو جہاں سے بینا نے کھڑے ہو کر دیکھا ہے۔ اور اس بینا کے پاس وہ قوت موجود ہے۔ لہذا اس کے لئے دیکھنا ممکن۔ اور اسکی خبر کی تصدیق کیلئے

درجہ پائی جاتی ہے۔

واذالہ تزلزل فسلمہ لا ناس سراً ولا بالابصاہما
ترجمہ: جب آپ خود اپنی آنکھوں پہلی تاریخ کا چاند نہ دیکھیں تو
پھر ان لوگوں کی بات مان جایا کرو جنہوں نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا اور آپ کو خبر دی۔

بس یہی صورت سال بھر میں کسی ایک رات لیلۃ القدر
کے انوار و برکات کے ادراک کی ہے۔ یہ انوار و برکات ان ظاہری
آنکھوں دیکھنے کی چیز نہیں۔ اس کے لئے دیدہ قلب کی روشنی
چلتی ہے۔ پہلے زمانے میں زاہد قسم کے مسلمان ”اپنے قلوب میں قرآن
و حدیث کے مسلسل اتباع و اطاعت کے یہ روشنی پیدا کرتے تھے۔
پھر انکو ادراک نہ بھی ہو جاتا تھا۔ اور اس زمانے میں برق قسم کے
مسلمان قرآن مجید کی من مانی تفسیر و توفیج اور احادیث و سنت
رسول اللہ کا انکار کر کے خدا و رسول کے احکام کی پیروی و اطاعت
سے دور رہتے ہیں۔ لہذا وہ فاعلی اللہ قلوبہم کے مصداق
بن کر روشنی قلب سے محروم رہتے ہیں۔ اور انکو لیلۃ القدر کے
انوار و برکات کا کچھ بھی ادراک نہیں ہوتا ہے

ہم الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس کے بعد برق صاحب ”قرآن مجید میں رد و بدل“ کے
عنوان سے یہ بحث چھیڑی ہے کہ احادیث کو صحیح سمجھنے سے
بے لازم آتا ہے کہ قرآن مجید محفوظ کتاب نہیں۔ اور اس بارے
میں چند روایات حدیث نقل کر کے علماء حدیث پر بہت بے رحمی
کی ہے۔ یہ بحث طویل للذیل ہے۔ اور آگے جا کر جگہ جگہ بھی
برق صاحب نے اپنے اس دعویٰ کو دہرایا ہے۔ اس لئے اس موضوع
پر ایک مستقل قسط میں کچھ عرض کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب اس قسط میں مؤطا امام مالکؒ پر برق صاحب کی
تفتیک کے سلسلے میں آخری حدیث کے متعلق صرف عرض کروں گا۔
گوشت خوری: مرصعہ پر برق صاحب نے گوشت خوری

کے فائدہ و منافع اور قرآن مجید کی ایک آیت سے اس کا انعام خداوندی ہونا بیان کر کے موطا امام مالکؒ کی اس روایت پر تنقید کی ہے جو حضرت عثرتؓ سے مروی ہے۔ حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں کہ گوشت خوری سے بچو۔ اس لئے کہ شراب کی طرح اسکی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔ ”برق صاحب کی رائے یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو صحت، جستی اور بختہ جان فروشی سے محروم کرنے کے لئے کسی دشمن اسلام نے یہ قول وضع کیا تھا۔ اور حضرت امام مالکؒ اس جملہ ساز کا کھوج نہ لگا سکے۔ اور اسے موطا میں شامل کر لیا۔ اب برق صاحب نے یہ کمال کر دیا کہ جملہ ساز اور جملہ ساز کا کھوج لگا لیا۔ اور مسلمانوں کو یہ بتا کر بہت بڑا احسان کر دیا کہ یہ کسی دشمن اسلام نے وضع کر دیا ہے۔ اور ساتھی قارئین ”دوا سلام“ کے ذہن میں یہ تاثر پیدا کیا جا رہا ہے۔ کہ جب موطا امام مالکؒ جیسی اہم اور مستند کتاب میں ایسے جعلی اور وضعی اقوال مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے موجود ہیں تو اس موطا پر کیا اعتماد اور اس جیسی اور کتب احادیث پر کیا بھروسہ۔ لہذا یہ سارا فقرہ ”گاڈ خود“ کرو۔ اور قرآن مجید کو بیکرا اس کی تفسیر ”عقل“ میں آئے وہ قبول کرو۔ اور اپنی عقل خام کی گھڑی چوٹی وہ تفسیر اصل ”اسلام“ ہے۔

مجھ میں نہیں آتا کہ حضرت فاروقؓ اعظم کے اس قول میں برق صاحب کو کیوں یہ ساری برائیاں نظر آئیں۔ عملی طور سے دیکھا جائے تو موطا کے زمانہ تصنیف دوسری صدی سے لیکر آج کے چودھویں صدی تک متواتر ہر زمانہ میں موطا کو قابل اعتماد مجموعہ سمجھا گیا۔ اور اس قول کو بھی مسلمان حضرت فاروقؓ اعظمؓ کا ارشاد سمجھ کر پڑھتے رہے۔ لیکن نہ انہوں نے گوشت کھانا چھوڑا اور نہ انکی حیات و معیت احد جذبہ جلن فردوسی میں کسی آئی۔ اور برق صاحب یقین رکھیں کہ آج بھی اس قول کو حضرت فاروقؓ کا قول یقیناً سمجھنے والے گوشت کھاتے سے

اجتناب نہیں کرتے اور نہ آئندہ کریں گے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی نہیں کہ مسلمان حضرت فاروقؓ کے قول پر عمل نہیں کرنا چاہتے، بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ فہم و ادراک دیا ہے جس سے وہ اپنے ان اکابر اور مقتدایان دین کے اقوال کا صحیح مطلب و منشا سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اس قول سے اور ایسے بہت سے دوسرے اقوال سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت فاروقؓ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان قوم محض لذتوں اور چٹخاروں کے دیپے نہ بنو، اچھے اچھے کھانوں جن میں گوشت بھی شامل ہے کی خواہش و طلب میں خواہ مخواہ تنگے بلکہ وہ اپنی زندگی بقا کوشی اور محنت کوشی کے ساتھ گزارے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ گوشت کھاتا رہے اور وہ لذت اندوزی ہی کے دیپے ہو تو پھر ۵۰ مصیبت بود روز ناما قتل۔ کا قصہ پیش ہوتا ہے۔ اور یہی بوائے موسیٰ اس کو بے کار اور کٹا کر دیتی ہے۔ اور کھانے پینے کی چیزوں میں بندہ نفس بن جانے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ لذات کی تلاش میں اپنی خود داری اور غیرت نفس کو بھروج کر دیتا ہے اور اسکی جرأت و معیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے پھر نہ جذبہ جان فروشی رہتا ہے، نہ جذبہ ایثار و قربانی، بلکہ تمام اخلاق فاضلہ ایک ایک کر کے مٹ جاتے ہیں۔ اسی چیز کو پیش نظر رکھ کر بس انہی معنوں میں حضرت عثرتؓ نے مسلمانوں کو یہ حکیمانہ مشورہ دیا۔ فتویٰ اور شرعی حکم تحریم نہیں، کہ گوشت خوری کے مزدوں اور اسکی عادتوں کو چھوڑ دو۔ وہی بات کہ ۵۰ بہ تمنائے گوشت مردن یہ ۵۰ ز تقاضائے رشتہ قضا یاں ہم بھی برق صاحب سے دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ولا تملن عینکم الا حیا اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر متعنا بہ ازواجنا منہم زہمت بھی نہ دیکھتے جن سے ہم نے کفار مختلف المیوت الذین انما تلتئم فیہ گردنوں کو انکی آزمائش کیلئے متعین کر رکھا۔

سچی کہانیاں

مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی فلاح و بہبود کا ذخیرہ

شیخ الحدیث سید ابوالحسن علی ہاشمی

مفت مولانا محمد امجد علی صاحب

ہو سکتی ہیں انہیں۔ اور حضور نے پوچھا ہی تو ہر منع تو نہیں کیا۔ غیر ضروری

(۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ سے باہر تشریف لیا رہے تھے۔ راستہ میں ایک قبۃ (گنبد و حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا۔ محتویوں دریافت فرمایا کہ یہ کیسا ہے انھوں نے عرض کیا کہ ظلی انصاری قبہ بنا یا ہے۔ حضور نے مگر خاموش ہوئے۔ کسی دوسرے تحت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور سلام کیا۔ حضور نے احوال پوچھ لیا۔ سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو دوبارہ سلام کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی احوال فرمایا اور جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے کیسے تھکی ہو سکتے تھے۔ صحابہ سے جو وہاں موجود تھے دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کیا کہ میں آج حضور کی نظروں کو نہیں پہنچا ہوں۔ غیر تو ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضور باہر تشریف لے گئے تھے راستہ میں تمہارا قبہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے سب نے کہہ دیا انصاری توڑ گئے اور اسکو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ عالم نہ رہا۔ باقی نہ رہا اور پھر اگر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور کا ہاتھ لٹک رہا تھا۔ پر گزرتا تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ حکایت سن کر انھوں نے انصاری نے آنحضرت کے احوال گشتی روئے ذکر کیا تھا ہم نے کہا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے۔ انھوں نے آکر اسکو بالکل توڑ دیا حضور اوشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے۔ مگر وہ تعمیر جو خست ضرورت اور مجبوری کا ہو۔ (ابوداؤد)

(رفعت) یہ کمال عشق کی باتیں ہیں۔ ان حضرات کو اسکا تعلق ہی نہیں تھا کہ چہرہ انور کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور کی گرائی کو

فرمانبرداری اور اتصال حکم اور یہ دیکھنا کہ حضور کا منشا مبارک کیا ہو دیکھیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فعل فرمانبرداری تھا۔ اور گزشتہ قصوں بھی یہ بات خوب روشن ہے۔ لیکن خاص طور پر چند قصے اس باب میں اس لئے ذکر کئے جاتے ہیں لوگ اپنی حالتوں کا اس باب سے خاص طور پر متاثر نہ کر کے دیکھیں کہ ہم اللہ کی اور اس کے رسول پاک کے احکام کی فرمانبرداری کتنا تک کرتے ہیں۔ جبیر بن عبد اللہ کہ ہر وقت اس کے بعد نظر آتے ہیں کہ وہ برکات، تزیینات اور ثمرات جو صحابہ کرام کو حاصل ہوئے تھے ہمیں بھی حاصل ہوں۔ اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے متمنی ہیں تو ہمیں کرنا چاہیے جو وہ حضرات کر کے دکھا گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، امیر اور ایک چادر تھی جو کسم کے رنگ میں لگی سی رنگی ہوئی تھی۔ حضور نے یہ دیکھ کر فرمایا یہ کیا اڑھڑکھا ہے مجھے اس سوال حضور کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے، گھر والوں کے پاگل پس ہوا تو انھوں نے چولہا جلا رکھا تھا، میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضور نے فرمایا وہ چادر کیا ہوئی جس نے قصہ سنا دیا اپنے دو شاہد فرمایا عورتوں میں کسی کو کیونٹ پنا دی عورتوں کو پہننے میں تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ (ابوداؤد) (۲) اگرچہ چادر جلا دینے کی ضرورت نہ تھی مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناامنی کی چوٹ لگی ہوئی ہو، وہ اتنی سوچ کا مغل بھی نہیں ہوتا کہ اسکی اور کوئی صورت بھی ہو سکتی ہو ہاں مجھ جیسا ناواقف ہوتا تو نہ معلوم کتنے احتمالات پیدا کر دیتا کہ یہ ناگواری کس وجہ کی ہو۔ اور دریافت تو کر لوں اور کوئی اجازت کی صورت بھی

بکر گیا ہوں۔ فارس، روم اور حبشہ کے بادشاہوں سے ظاہروں میں کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری اسکی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت انکی تعظیم کرتی ہے۔ کبھی انکا بلغم زمین پر نہیں گرنے دیتی۔ وہ کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑتا ہے۔ اہد وہ اسکو منہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعیل کرے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پہننے اور لینے کی واسطے ایسے دوڑتے ہیں گویا آپس میں جنگ و جدل ہو جائیگا۔ اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص انکی طرف غفلت کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

(۲۲)

دائل بن جھر کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے۔ میں سامنے آیا تو حضور نے ارشاد فرمایا: یا ذباب میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا۔ میں واپس گیا اور انکو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا لیکن یہ اچھا کیا۔ (ابوداؤد) (ف) ذباب کے معنی مخوس کے بھی ہیں۔ اور بری چیز کے بھی۔ یہ اشاروں پر چلنے کی بات ہے کہ شاعر سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو اسکی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی۔ یہاں حضور نے ارشاد بھی فرمایا کہ تم کو نہیں کہا تھا۔ مگر یہ چونکہ اپنے مطلق سمجھے اس لئے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔ ابتداء اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود حاضر خدمت ہوئے حضور خدا پرست تھے۔ انہوں نے حسب معمول سلام کیا۔ چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو گیا تھا۔ حضور نے جواب نہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آ کر مختلف خیالات مجھے آگھیرا کبھی سوچتا تھاں بات سے ناراضی ہوئی کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیشی آئی۔ آخر حضور نے جب

محسوس کرے۔ ان صحابی نے تہ کو گرا دیا۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آکر کہتے کہ آپکی خوشی کی واسطے گرا دیا۔ بلکہ جب حضور کا خود ہی اتفاق سے ادر کو تشریف لیجانا ہوا تو ملاحظہ فرمایا حضور کو تعمیر بنی پرے کا ضائع کرنا حاصل ہے۔ ناگوار تھا۔ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ خود ازواج طہرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے ٹٹے تھے۔ جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے ہوتے تھے۔ تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جاسکے۔ ایک مرتبہ حضور مکین سفر میں تشریف لے گئے حضرت ام سلمہؓ کو کچھ ثروت حاصل تھی۔ انہوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں کے کچی اینٹیں لگالیں۔ واپسی پر جب حضور نے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں بے پردگی کا احتمال رہتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا رویہ فریج ہو تعمیر ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہو گئی تھی درست کر رہے تھے حضور نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے۔ (ابوداؤد)

(۲۳)

حضر خٹاف کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمراہ تھے۔ اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں جن میں سرخ تودے تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا میں کیفتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضور کا یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم لوگ ابکم ایسے گھبراہٹے کہ ہمارے بھل گئے سے اونٹ بھی ادر ادر بھاگنے لگے اور ہم نے فحشاء چادریں اونٹوں سے اتار لیں۔ (ابوداؤد) (ف) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہاں ہمدانی زندگی کے اعتبار سے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ ان حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی عذرہ میں حدود جب تک حدیث میں کفار کی طرف سے قاصد کی حقیقت سے آئے تھے تو مسلمانوں کی حالت کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اور کہ واپس بالاکفار سے کہا تھا کہ میں تم سے بڑے بادشاہ ہوں گے پہلے قاصد

م سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے۔ اس لئے میں سلام کا جواب نہیں دیتا تھا۔ تب مان میں جان آئی۔ فرمانبرداری اور اشارہ اوردہ پر چلنے والے مشاغل دنیا میں اس سے زیادہ بہتر کیا اور کوئی ہو سکتی ہے۔ سچ ہے کہ ان مقدس لفظوں کو اللہ نے اپنی تمام مخلوق میں جن کو

ضرورت حدیث

(حضرت مولانا قاضی محمد زاہد صاحب دینی پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج ایڈیٹ آباد)

نہ سمجھا جاتا تھا۔ انکو اپنے حافظہ پر اعتماد تھا۔ اور آج تک ان کا حافظہ قوی ہے۔ تیز قرآن شریف کے ساتھ اختلاط کا خطرہ تھا اسی لئے آپ نے عمومی طور پر لکھنے سے منع فرمایا۔ ورنہ ویسے تو آپ نے لکھنے کا حکم بعض بعض صحابہ کو فرمایا جیسا کہ پہلے مفصل گندھ چکا ہے انصار میں سے کسی شخص نے حافظہ کی کمزوری کو شکایت کی تو آپ نے فرمایا اپنے دل میں ہاتھ سے کام لو، یعنی لکھ دیکرو۔ (ترمذی)

حضرت عرفار و ق نے خود احادیث جمع کرائیں۔ انکی اشاعت کی۔ مگر احادیث کے قبول کرنے میں پورا پورا اہتمام فرمایا۔ جینک کہ کم از کم دو گواہ روایت کرنیوالے موجود ہوتے تھے آپ قبول نہ فرماتے تھے۔ اسکا جواب بڑی تفصیل سے پہلے گر چکا ہے۔ یورپ کے بلند ترین مفکر گوٹ سیلر نے کہا ہے: عربوں میں کتابت محبوب تھی وہ حفظ کر لیا کرتے تھے۔ آج بھی خالص عرب دبدو، لکھنے پڑھنے کو حقیر خیال کرتے ہیں۔ (MUHST جلد اول مثلاً)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے: بخون امة اتمية لا تكتب ولا تحسب۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری کاموں میں بھی لکھنے پڑھنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ غار ثور میں اہل صلح حدیبیہ کے وقت بھی آپ کے پاس قلم و دوات موجود ہے۔ حجۃ الوداع میں آپ نے ابو شاہ کو خط لکھ کر دینے کا حکم فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ باقاعدہ نظام حکمرانی قائم تھا۔ ایک جامع فرست پیش کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین کے اہلکار گرامیہ مع فرض منصبی درج کئے جاتے ہیں۔ اس فرست میں صرف انہی کے نام ہوں گے جن حضرات کا فی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرا۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ فرست کسی

منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات

منکرین حدیث کے چند گئے ہوئے اعتراض ہیں جو تقریباً ایک سو سال سے الفاظ کے ہیر پیر کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں مثلاً کاغذ پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نہ لکھوائیں بلکہ اس سے منع کیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی منع فرمایا۔

(۲) احادیث کا آپس میں سخت اختلاف ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۳) حدیث کو وحی کہنا اور وحی کی دو قسمیں یہ اختراعی بات ہے۔ پھر حدیث ایک ظنی بات ہے یہ تواتر وغیرہ بھی محدثین کا اختراع ہے۔

(۴) جب قرآن کامل مکمل ہے تو حدیث کی ضرورت کیا ہے۔

(۵) اگر صحابہ کرام سے احادیث کی روایت نہیں لگزا حدیث ہوتی تو وہ بھی ضرور روایت کرتے۔

(۶) اتنی کثرت کے ساتھ احادیث کیونکر موجود ہو گئیں۔

(۷) احادیث میں دہائے نیکام پر اتنا بڑا ثواب اور دہائے برائی پر اتنا بڑا عذاب بتلایا جاتا ہے، یہ تشریح کے سخت خلاف ہیں۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا محفوظ رہنا عقلاً محال ہے۔

(۹) قرآن و حدیث میں تضاد اور مخالفت ہے۔

جوابات: ہر گز یہ کتاب کے شروع میں ان تمام سوالات کے جوابات نہ آچکے ہیں۔ مگر یہاں بھی اجماع بیان کیا جاتا ہے تاکہ پوری طرح مسئلہ سمجھ میں آجائے۔

پہلے سوال کا جواب بر عربوں میں کتابت کوئی بہترین شکل

چودھویں صدی کے مولوی یا ملا کی بنائی نہیں ہے۔ بلکہ ابو الحسن علی بن حسین بن علی السعودی متوفی ۳۷۶ھ ۹۵۶ء کی ہے جس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کے فاضل مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ علامہ سعودی تاریخ کے ابوالآباد ہیردوئس یونانی کا جواب ہے اور یہی رائے پروفیسر نکسن کی بھی ہے۔

نمبر شمار	نام کا لقب	فرض منصبی
۱	عابد بن سجد	ہر قسم کے کام کی یہی کتابت کرتے تھے۔
۲	مغیرہ بن شعبہ ثقفی	یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرودیاں لکھا کرتے تھے۔
۳	حصین بن غیر	یہ دونوں قرض کے وثیقہ و تصدیقات کے کاتب تھے۔
۴	عبد اللہ بن ارقم	زکوٰۃ اور صدقہ کی آمدنی کے کاتب
۵	علاء بن عقبہ	حجاز کی آمدنی کا موازنہ لکھا کرتے تھے۔
۶	ذیر بن العوام	مال غنیمت کی کتابت کیا کرتے تھے۔
۷	جہیم بن الصلت	بادشاہوں کو خط لکھتے اور ان کے خطوط کا جواب لکھتے تھے۔ فارسی، رومی،
۸	حذیفہ بن الیمان	قبلی، حبشی زبانوں میں آتے ہوئے خطوط کا ترجمہ فرمایا کرتے تھے۔
۹	حقیق بن ابی فہم	جب خاص شعبہ کا کوئی نئی نئی نوٹا تو آپ اس کے فرائض انجام دیا کرتے۔
۱۰	رید بن ثابت انصاری	منظومہ بن الربیع
۱۱	عبد اللہ بن سعد	یہ حضرات بھی دوبار نبوی کے کاتب تھے۔ رضی اللہ عنہم و عن کل الصحابہ اجمعین۔
۱۲	شرجیل	(التنبیہ و الاشرف للمعتمدی ۱۲۵ھ)
۱۳	ابان بن سعید	
۱۴	علاء بن کھصری	
۱۵	معاویہ	

جواب ال دوم: وہ سراسر سوال منکرین حدیث کی طرف سے بڑی قوت اور تکی کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے۔ اور اسی اختلاف نے شیعہ بھی، مرزائی، وہابی وغیرہ فرقتے پیدا کر دیئے۔ اگر احادیث کا انکار کر دیا تو یہ سارے فرقتے مٹ جائیں گے۔ اسی تفصیل میں ”دوا سلام“ کے مصنف نے حدیث کو ماری کی پٹاری تک کھدیا ہے۔ اس سوال کا جواب ظاہر ہے کہ احادیث میں ہرگز کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جو بنیادی ہو۔ مثلاً سارے اسلامی فرقتے اس امر پر متفق ہیں کہ خدا ایک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ جہاد فرض ہے۔ روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج فرض ہے۔ اور اسی کیفیت کے ساتھ ابتداء اسلام سے میل آج تک فرض ہے۔ ہاں اب منکرین حدیث نے الگ نظر یہ قائم کر لیا ہے۔ اور اگر متعدد اور متفرق فرقوں کے استدلال کی وجہ حدیث ناقابل قبول ہے تو پھر قرآن کریم کے متعلق آپ کا نظریہ کیا ہوگا، جبکہ قرآن کریم سے فرق باطلہ اپنے اپنے استدلال تحریف کے ساتھ کر رہے ہیں۔ مثلاً مرزائی خاتم النبیین کا معنی کرتے ہیں ”نبی گروہ“ اور محمد رسول اللہ کے متعلق مرزا قادیانی نے کھدیا ہے کہ اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے۔ اور رسول بھی۔ (ایک غلطی کا ازالہ)۔ محمد علی باب ایرانی اور اس کے متعقدین نے سوتہ الہدیہ کے اس جملے ”ابا باب سے یہ استدلال کر لیا ہے کہ میرے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور ان علینا بیانہما دالقیامہ سے مراد میری وحی ہے۔

فرقہ ابامیہ بھی قرآن سے استدلال کر رہا ہے۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ جو کچھ زمین میں ہے اس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ نہ حرام نہ گناہ۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں دہلی میں یہ فرقہ موجود تھا۔ سلطان نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ فجزا لا اللہ احسن الجزاء۔ (فرائض الفتوح ص ۲۱) تو اب بقول مصنف ”دوا سلام“ قرآن بھی ماری کی پٹاری

ٹھہرا۔ لہذا اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔ بات یہ نہیں ہے۔ بلکہ سب امتوں میں تحریف اور استدلال باطل کر نیوالے گزے ہیں۔ ان کا استدلال باطل ہو کر تاجے۔ انہی تاویل تحریف ہو کر تی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے قرآن کی تاویلات اپنی خواہشات کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ الْأَامَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِلَايِلِهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ أَثْمَانًا قَلِيلًا۔ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ۔ (بقرہ، الفسطح)

قرآن کریم سے کس طرح فرق باطلہ نے تحریف کر کے استدلال باطل کیا ہے۔ اسکی تفصیل میری کتاب ہدایت میں ملاحظہ فرمادیں (محمد زاہد غفرلہ)

جواب دوم: اس جواب کو سمجھنے سے پہلے ایک تہذیب کا سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نابہر اور خداوند تعالیٰ تک پہنچا نیوالے پاکباز انسان تھے۔ آپ نے اپنے اقوال اور اپنی زندگی سے ان لوگوں کو جو تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھے۔ نہ صرف ایک کامل انسان بنا دیا۔ بلکہ دنیاوی و جاہلیت ان کو دوسرے تمام اقوام سے بلند فرما دیا۔ ایسے لوگوں کی تربیت جو خدا اور رسول کے نام سے نا آشنا تھے کچھ آسان کام نہ تھا۔ آپ نے اس دینِ قطرت کو ان کے دل و دماغ میں اسطرح راسخ کر دیا کہ وہ پھر جان دینے پر تو راضی ہو سکتے تھے۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک حرف تک نہ سنتے تھے۔ اس لئے ان کی تربیت میں نہ ریجھا ترقی دی گئی۔ یہی مثال سمجھ لیں کہ ایسے لوگوں کو یا بند نماز کرنا جو بتوں کی عبادت میں سرشار تھے کس قدر کٹھن اور مشکل کام تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو پہلے جو نماز کا طریقہ سکھایا وہ صرف

دو رکعت تھی۔ اور وہ بھی نماز میں کلام کرنا جائز تھا۔ بات کرنی دیت تھی۔ جبکہ ان کے قلوب میں عبادت کا کچھ اثر پیدا ہوا تو کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ اب صرف زبانی سلام اور اس کا جواب دینے کی اجازت تھی۔ جب زیادہ ایمان اور اللہ کی محبت راسخ ہو گئی تو اب زبانی سلام اور اس کا جواب تو منع کر دیا گیا مگر اشارہ سے جواب دینا جائز رکھا گیا۔ پھر اس کے بعد اشارہ سے بھی سلام و کلام کرنا منع کر دیا گیا۔ اب سب احادیث کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس قاعدہ پران کو پرکھ لیں تو یہ تضاد اور اختلاف خود بخود رفع ہو جائیگا۔ اسی لئے احادیث نبویہ سے احکام ثابت کرنے کے چند قواعد بنائے گئے ہیں۔ اور ان میں سب سے اہم قاعدہ یہ ہے کہ احادیث میں پہلی (مسنوع)، اور پچھلی (ناسخ) حدیث کو پوری طرح سمجھا جا۔ چنانچہ

۱۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حکم پر عمل کیا جائے گا۔ (بخاری ص ۲ مصری)

۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر ایک وحش کر نیوالے پر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اور آخری احادیث جانتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا نہیں! تو اس پر حضرت علی نے فرمایا۔ تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتویٰ وہی دے سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اور آخری احادیث کو جانتا ہو۔

۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایک داخط کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے اولین و آخری دور کو نہ جانتا تھا، فرمایا کہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی کر دیا۔

فائدہ: بعض دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اپنے ایک تشریحی حکم کو ہٹا کر دوسرا حکم نافذ فرما دیا۔ مثلاً

۱۔ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو

بیچنے کا ارادہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ جب تم کو فلاں فلاں دو آدمی ملیں تو تم ان دونوں کو جلا دو۔ پھر جبکہ صحابہ بارادۃ سفر جدا تیار ہو کر رخصت کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں تم کو پہلے حکم دیتا تھا کہ فلاں فلاں کو جلا دو۔ مگر اب یہ حکم ہے کہ ان کو نہ جلا نا اس لئے کہ آگ کا عذاب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دیں گے۔ اب یہ حکم ہے کہ اگر وہ دونوں تم کو مل جائیں تو انکو قتل کر دیں۔

(بخاری جلد دوم میں امام مقرر باب ۱۱)

حباب۔ اسی طرح بعض احادیث میں ایک حکم بھلی ذکر ہوا تو دوسری میں اس کی تفصیل اور تشریح آگئی۔ وہ دراصل آپس میں معارض نہیں ہیں بلکہ ایک بھلی اور دوسری اسکی تفصیل اور تشریح ہے۔ اس لئے احادیث کو سمجھنے کے لئے یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ہمیشہ بھلی حدیث کو مفسر حدیث کی روشنی میں دیکھا جائیگا۔ مستقل فن اس کے لئے بنایا گیا ہے۔ خصوصاً امام طحاوی نے اپنی کتاب مشکل الآثار (جو ۳ جلدوں میں ہے) میں ان تمام احادیث کا حل فرما دیا ہے۔ فیجراہ اللہ احسن الجزاء۔

کیا منکرین حدیث کا آپس میں اختلاف نہیں۔ چند حوالے

درج کرتا ہوں :-

(۱) مصنف دوا سلام تو فرماتے ہیں حضور کا مشہور خطبہ جو خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے تمام ترجمانی ہے۔ ص ۱۰۰۔

اور طلوع اسلام اس امر کا دعویٰ ہے کہ حجۃ الوداع میں لاکھوں

آدمیوں نے سنا۔ طلوع اسلام کی عبارت یہ ہے :- کہ

”چنانچہ اپنی وفات سے پہلے حجۃ الوداع میں لاکھوں مسلمانوں نے اس امر کا اقرار کیا کہ قرآن ان تک پہنچا دیا گیا ہے۔“ (طلوع اسلام ج ۱ ص ۱۰۰)

(۲) مصنف دوا سلام اور اسلام ہزارہا احادیث کو صحیح مانتے

ہیں۔ دوا سلام ص ۱۳۱ اور طلوع اسلام کے ہاں ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔

(۳) قرآن کریم منکرین حدیث کے ہاں بھی اساس اسلام ہے۔

مگر اس کے ردول میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ طلوع اسلام بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۳۵۷ھ میں علامہ تنا عبادی نے جمع القرآن ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :- کہ :- ”گوہ حرا پر پہلے پہلی شب قدر ماہ رمضان پورے قرآن کا کتابی صورت میں آپ کے سامنے نزول ہوا۔ اس لئے پناہ کی اجماع سے کوئی انکار کر سکتا ہے۔“ ص ۱۰

ظاہر ہے کہ عنا عبادی ایک ایسا مسئلہ بیان فرمایا جو ایک کھلی ہوئی حقیقت کے سراسر خلاصہ ہے۔ اس پر طلوع اسلام اگست ۱۳۵۷ھ نے یہ تبصرہ کیا :-

”یہ خیال درست نہیں کہ قرآن پہلے پورا پورا ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اور پھر وہی قرآن نچانچا ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوتا رہا۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کے لئے کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت محسوس نہوتی“ ناظرین خود اندازہ فرمائیں کہ یہ لوگ کس راستہ پر چل رہے ہیں۔

جواب سوال سوم :- حدیث کو وحی کہنا نفی قرآنی ہے۔

اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ اور آپ کے لفظ ہمایونی کو قرآن کریم نے وحی فرمایا۔ ارشاد ہوا :- ”وما یطق عن الہوی ان ہوا وحی یوحی۔“ (النجم)

یاں قرآن حکیم کا لفظ نطق صاف بتا رہا ہے کہ جو کچھ آپ بولتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے۔ وحی کی اقسام بھی قرآن ہی میں موجود

ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت بیان

اور اشارہ ہے جس کو قرآن کریم نے فرمایا۔ لتبین لنا میں

الآیہ۔ مگر قرآن کریم کو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما

ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں، ارشاد ہوا :- ”ثم انزلنا علینا بیانہ“ (القیامۃ)۔ اب جبکہ آپ کا کلام یہ ہے کہ قرآن کریم

کو بیان فرما دیں، اس کا مطلب واضح فرما دیں۔

ہیں۔ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو یہ سب سب ہماری معمولات میں آفرساری دنیا کے تعلقات اور نظام عالم کس طرح چل رہا ہے۔ قرآن کریم میں تو اتنی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً

المد تزکیف فعل سرباک باصحاب الفیل۔ ملائکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اس وقت یہ واقعہ ہوا۔ پھر چالیس سال بعد آپ کو نبوت ملی۔ مگر یہ واقعہ سارے عرب میں مشہور تھا۔ اس لئے اس کو اَلْمَدِّ تَزَكَّى کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ علی بن ابی القیس قوم عاد و ثمود وغیرہا کی تباہی اور بربادی چونکہ سارے عالم عرب میں مشہور و معروف تھی اس لئے قرآن کریم اس کی تعبیر بھی اَلْمَدِّ تَزَكَّى سے کی۔ حالانکہ یہ واقعات ہزار ہا سال پہلے گزر چکے ہیں۔ اور کوئی نوشتہ حال یا عینی گواہ اس وقت موجود نہ تھا۔ اسی لئے اَلْمَدِّ کا معنی اَلْمَدِّ تَزَكَّى کہا جائیگا۔ یعنی کیا تو نہیں جانتا۔

غیر واحد کا اعتبار ہم روزانہ اپنے کاروبار میں ایک آدمی کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ ریڈیو پر اعلان کرنے والا، بیماری کی تشخیص اور علاج کی تجویز کرنے والا، لکچرار و خطا کرنے والا، ذرائع حمل و نقل پر کنٹرول کرنے والا یہ سب سب ایک ہی انسان ہوتے ہیں اگر ایک آدمی کی بات پر اعتبار نہیں تو ان باتوں میں کیوں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ آفرانیہ اور رسل بھی تو ایک ایک ہی تشریف لائے ہیں۔ یہی اعتراض مشرکین کا تھا۔ قوم ثمود نے کہا تھا کہ صرف ایک آدمی (نبی) کی بات مان لیں تو یہ سراسر نقصان کا کام ہوگا۔

کَذَبَتْ ثمود بالنذر فقالوا لنبشئ منّا واحداً ننبیہ انا اذالنی ضلال وسحر القمر

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس واحد کی اگر وہ منجانب اللہ تصدیق شدہ مہر نمو۔ یعنی رسول اور انبیاء علیہم السلام کے سوا، تحقیق کی جائے۔ اگر وہ سچا ثابت ہو جائے، پھر تو اس کی اتباع لازمی اور ضروری ہے۔ اسی کو وہ سرے مقام پر فرمایا۔ یا ایہا

اداس کا مطلب واضح ہو آپ فرمادیں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ تو لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وحی ہوگا۔ قرآن حکیم نے خود وحی کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا: وما کان للبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب اور رسل رسولا فی وحی باذنیہا ما یشاء (الشوریٰ) اور نہیں شایاں کسی بشر کو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے۔ پس اپنے اذن جو چاہے وحی کرے۔

بیان پر تین چیزیں تو صراحت کے ساتھ ہیں۔ وحی، پردہ کے پیچھے، فرشتہ کا بھیجنا۔ اور دوسری جگہ وحی معنی کے متعلق فرمایا کہ خبر کا خواب بھی وحی ہوتی ہے، لقد صدق اللہ رسولہما لہما قرأ بالحق (الفتح)۔ آخر اسی خواب نے تو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا تخت جگہ بیچ کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ قرآن کریم نے اس خواب کو بھی امر کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت اسماعیل نے کہا: یا ابت افضل ما لثومر۔ حالانکہ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، انی اسری میں دیکھتا ہوں۔ مگر چونکہ نبی کی خواب بھی وحی ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اسماعیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ جب نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے تو اب بتلائیے اس وحی کا نام کیا رکھا جائیگا۔ اس کو وحی حسی ہی کہا جائیگا۔

آنا ضرور یاد رہے کہ آپ سے اسی لئے کسی مسئلہ کے بیان کرنے میں غلطی یا سہو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وحی میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ اگر نبی بھی بھول جائے تو پھر وہ امین نہیں رہتا۔ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ درست کہہ رہا ہے۔ البتہ دوسری باتوں میں اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے حامل وحی کو امین کہا گیا ہے۔ تم امین

باقی رہا یہ کہ یہ سب اقسام تو اترا و احاد وغیرہ غیر مقبول

لذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ۔

اور اگر خبر واحد کا دین میں اعتبار نہیں ہے تو پھر انجیل، متی، لوقا، مرقس وغیرہ کا کیا اعتبار ہوگا۔ آخر یہ بھی تو ایک ایک حواری تھے۔ جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات جمع کئے تھے۔ ہر کیف خبر واحد کا اعتبار ہے۔

فائدہ: حدیث کے بیان کرنے کے الفاظ مشہور حدیثا اور آجنا ہیں۔ یہ دونوں قرآن شریف کے مستنبط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں کو تعلیم دینے کے لئے حکم فرمایا: **انبعثوہم**۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبأ فی العلم الخیر۔ ہر دے دربار سلیمان میں عرض کیا **یٰٰذَا یٰٰقِیْنِ** اور حدیث کا کلمہ بھی گئی جگہ موجود ہے۔ **قالوا اتحدونہم** اما بنعمتہا سربک فحلات۔

جواب الہام: عام طور پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکے دینے کے لئے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب متبیین ہے۔ پھر ایک ایسی کامل کتاب کے ہوئے حدیث کی ضرورت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ **جواب:** یہ سوال بظاہر ایک صحیح سوال معلوم ہوتا ہے۔ مگر دراصل یہ ایک مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات کامل ہنترہ من العیوب والنقص، جامعہ اول، آخر ہے۔ تو پھر اس پر ایمان لانے کے بعد رسول پر ایمان لانیکی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ پھر فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ خود اسی خداوند تعالیٰ عزا سہ نے اپنی ذات پر ایمان لانیکا حکم فرماتے ہوئے انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے **امنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علی سسولہ والکتاب الذی انزل من قبل، کل امن باللہ وملائکتہ وکتابہ ورسولہ**۔ الایہ

تو جس طرح ایمان باللہ ہی مقصود ہے۔ اور ایمان بالرسول اس کے لئے ذریعہ اور سبب ہے۔ اگر رسول کو نہ مانا جائے تو خداوند تعالیٰ پر ایمان لانا کب درست ہوگا۔ جب اس فرشتے پر ایمان لایا جائیگا جو وحی الہی لاتا ہے۔ اور پھر اسی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوگا جو فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نبی علیہ السلام پر لاتا ہے۔

مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قل من کان عدوالجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ۔ من کان عدواللہ وملائکتہ ورسولہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدولکافہین (بقرہ)۔ ان آیات سے یہ بات مدلل طور سے معلوم ہوگئی کہ کامل کے ہوتے ہوئے خیر کامل پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ خیر کامل دراصل کامل کا ایک حصہ اور اس کے لوازمات سے ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہماری زندگی کے روبرو ہر حالات میں جاری ہے۔ کہ ہم ایک بہت قیمتی کپڑے کو سوئی سے سینا پسند نہ کریں گے کہ کپڑا قیمتی ہے۔ اور سوئی تو ایک پیسہ کی ہے۔ کیا کسی ایک بیش قیمت دستاویز کو قلم سے اس لئے نہ لکھیں گے کہ قلم کی قیمت اس کے مقابلہ میں کم ہے یا پیسہ ہے۔ اس لئے فطرتی طور پر ہر کامل کے لئے ناقص کا اتباع کیا جانا ضروری ہے۔ یہ محض دھوکا دیا جاتا ہے۔ اگر قرآن کریم کے کامل ہونے کا یہی مطلب ہے تو پھر مولوی عبداللہ چکوالوی نے اور مولوی احمد دین امرتسری نے قرآن کریم کی تفسیر میں کئی کئی جلدوں میں کیوں لکھ دیں۔ اور درحاضر میں پروفیسر صاحب محارف القرآن جلدوں میں کیوں لکھ دیں اور لکھنی باقی ہیں۔

جواب سوال پنجم: آجہ صحابہ کرام سے روایت حدیث بکثرت نہیں۔

اس کا جواب ظاہر ہے کہ اول تو یہ اعتراض غلط ہے۔

جکڑا لوی نے اقیو العلوۃ کی تشریح ایک کتاب میں کی، جس کا نام الفرقان ہے۔ اور وہ چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ حالانکہ حدیث کی کسی کتاب کی میں چار سو صفحات صرف نماز کی تشریح پر نہیں لکھے گئے۔ (۲ ج)

دوسری چیز یہ بھی ہے کہ سرسری طور پر احادیث کا مطالعہ کرتے وقت یہ سمجھ لیتے ہیں کہ احادیث کی تعداد بڑی زیادہ ہے۔ حالانکہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی حدیث کو متعدد مسائل کے ضمن میں کئی دفعہ نقل کر دیا جاتا ہے۔

جتنے اس سے فوائد زیادہ معلوم ہوتے ہیں، اتنی ہی دفعہ اس کو نقل کر دیا جاتا ہے۔ سرسری طور پر دیکھنے والے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ احادیث بھی اتنی ہی ہیں۔ مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عا جزادی کے اتہال ان کے غسل والی روایت صرف ام حلیہ سے روایت ہے۔ مگر ام بخاری نے اس سے دس مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ تو یہ سرسری طور پر دس حدیثیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ دراصل وہ ایک ہی حدیث ہے۔ جس کا پہلا باب (میت کو طاق مرتبہ غسل دینا مستحب ہے) سے شروع ہو کر (کیا عورت کے بال اس کے پیچھے ڈال دیں) پر ختم ہو جاتا ہے۔ (بخاری مصری ج ۱)

جواب سوال ہفتم: در چھوٹی چھوٹی عبادات پر اتنا زیادہ ثواب اور چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اتنا زیادہ عذاب کیوں دیا گیا ہے۔ یہ بھی علامت ہے کہ احادیث بنی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱، چھوٹی نیکیاں اور برائیاں دونوں بڑے بڑے نیک کاموں کے ذرائع ہیں۔ اور برائیاں بڑے بڑے کاموں کی ذرائع ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بندہ قائل عبادات کرتے کرتے اتنا مقرب درگاہ الہی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ کو مکمل فرماتا ہے۔ اسی کے برعکس برائیوں متعلق فرمایا حضرت

پہلے گزر چکا ہے کہ اجلہ صحابہ کرام سے احادیث بڑی کثرت سے روایت ہیں۔ حضرات خلفاء اربعہ کی اپنی مسندات موجود تھیں۔ اور وہ سراجواب یہ ہے کہ اجلہ صحابہ کرام رات دن اس دین قیم کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔ جس کو لیکر غلام النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جیسا کہ آج بھی ایک کسی بڑے آدمی کے وزراء خاص اس کی زندگی کے تمام شعبوں کو کئی طور پر ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جزوی اور تفصیلی طور پر ان کو موقع ہی نہیں مل سکتا۔

جواب سوال ششم: اتنی کثرت سے احادیث کا ہونا۔

یہ بھی دراصل پہلے ہی طرح کا مغالطہ ہے۔ آخر جب ہماری معمولی انسانوں کی زندگی کے واقعات کئی مجلدات میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تو سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور حالات جن کا ساتھ صحابہ دنیا داری کا نہ تھا۔ بلکہ وہ تو آپ کے تھوک مبارک کو بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ ایسے جان نثاروں نے کتنے آپ کے اعمال اور اقوال کو محفوظ کر لیا ہو گا۔ اس کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جس کے دل میں ان حضرات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور الفت ہو۔

احادیث کی اتنی کثرت کیوں ہے؟

دنیا کے معمولی معمولی انسانوں کی تصانیف کا اندازہ کر لیں۔ جناب پروردگار صاحب کے قلم سے جو کچھ نکلا اسی کو جمع کر لیں۔ کتنا ذخیرہ بنتا ہے۔ حضرت مولانا تقی عثمانی کی تصانیف ایک ہزار تک ہیں۔ جب دنیا کے معمولی انسانوں کے محفوظات جو صرف چند آدمی سنتے ہیں۔ اور عقیر سی عقیدت کے ماتحت جمع کرتے ہیں، وہ اتنے زیادہ ہیں۔ تو سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جن کا ایک ایک حرف بھی صحابہ کرام فائز نہ ہونے دیتے تھے، وہ کس طرح کم ہو سکتا ہے۔

خود منکرین حدیث کا یہ خیال ہے کہ مولوی عبد اللہ

روایت کرتا ہے۔ قال ثیب بن عمار قد سمعت النبی
یحد ثون عن عروہ رضی اللہ عنہم۔

بلکہ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، در ۱۰ حدیث کے لئے لوگوں
کو جمع کیا جاتا تھا۔ ایک صحابی نے فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کی
ایک تعداد اکٹھی کر کے آؤ تاکہ ان کو حدیث سناؤں۔

صحیح مسلم (۱۱/۱۱۳)

جبکہ دنیا کی ہر ایک عدالت میں معمولی مقدمات سے تیکر قتل
تک کے مقدمات صرف وہ گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیے
جاتے ہیں۔ ہر ایک مجسٹریٹ گواہوں کی شہادت کو پورے طریقہ
پر سنکر اس کے مطابق فیصلہ دیتا ہے۔ اور وہ فیصلہ بھی معمولی
نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک انسان کو دنیا سے ختم کر دینے والا ہوتا ہے۔
اور وہ گواہ بھی اکثر اوقات شہادت میں روا داری کر جاتے ہیں۔

مگر یہاں جبکہ ایک نہیں کئی آدمی شہادت دے رہے ہیں
کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا یہ کیا ہو
اور گواہ بھی ایسے کہ اکثر کو خداوند تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی

سند دیدی، رضی اللہ عنہم۔ پاکدامن، اخلاق عالیہ کے مالک، پابند
مومن و صلوة جنہوں نے کسی دنیاوی معاملہ میں کبھی بھی غلطی
نہ کی ہو۔ رات دن یاد آتی میں مصروف رہنے والے ہوں اور وہ
ملفایہ بیان دے رہے ہوں کہ ہم نے اس کو سنا یا دیکھا۔ تو دنیا
کی وہ کونسی عدالت ہے جو ازراہ انصاف اس شہادت کو رد
کر سکتی ہے۔

نوٹ: ہر امام بخاری سے جن لوگوں نے براہ راست بخاری
شریف سنی ہے۔ انکی تعداد نوے ہزار کے قریب ہے۔

(در بیان متی ۵۲/۲)

فائدہ: ہر امام سیوطی نے اپنی کتاب میں ان سب احادیث
کو جمع کر دیا جن کو کم از کم دس صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ان احادیث کی تعداد ۱۱۳ ہے۔

ذیل میں تین احادیث درج کی جاتی ہیں:

(۱) کتاب الجنائز حدیث لقنوا موتاكم لا اله الا
الله عن ابی سعید وابی ہریرۃ والنسائی عن
عبد اللہ بن جعفر وعائشہ والطبرانی عن ابن عباس
وابن مسعود والبخاری عن جابر بن عبد اللہ والعقیلی
والنخعی عن عروہ بن مسعود وابن ابی الدنیا فی
المختصر عن حذیفۃ وعمرہ وعثمان وانس۔

(۲) حدیث انما صلی اللہ علیہ وسلم من یقبر
دفن لیلاً فقال متی دفن هذا قالوا لیس ہرۃ قالوا
فلا اذ تموتی قالوا کم هنا ان نوقفک تصلی علیہ
اخیر جبر البخاری ومسلم عن ابن عباس وابی ہریرۃ
والبخاری عن عقبہ بن عامر بن ربیعہ وابن ماجہ
عن ابی سعید والطبرانی عن ابن عمر وعمر بن
حصین وعمر بن عوف والبخاری عن انس وما لک
فی الموطا عن ابی امامہ بن سہل ودکھل عن ابن
مازی عن ہریرۃ وعامر بن ربیعہ وعبد اللہ وابی
قنادل۔

(۳) حدیث یجنازۃ فائشی علیہا خیرا فقال وجبت
ثم مر یا خیر فائشی علیہا شرا فقال وجبت اتم
شہد اولہ فی الارض۔ اخیر جبر البخاری عن انس و
البخاری عن عمر بن عبد الحمید عن ابی ہریرۃ وابی قتادہ والطبرانی
عن سلمۃ بن الاکحیل بن عجمۃ والبخاری عن عامر
بن ربیعہ وابن عدی عن ابن عمر۔

نوٹ: ہر وہی امام جلال الدین سیوطی ہیں جن کی کتاب
الالی المصنوعہ کو مگر بن حدیث اپنے مطالب کے لئے پیش کرتے
ہیں۔ (زائد)

روایت حدیث کا کمال احتیاط: ہر جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم نے صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کا ایسا تزکیہ کر دیا تھا کہ کسی بات میں جھوٹ و اقراء اور ہمتی سے بالکل متبرا ہی رہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو بیان کرنے میں نہایت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور ہر امکانی سچی کی ہے کہ کسی طرح ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا قوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے میں غلطی نہ ہو سکے۔ مثلاً :-

۱۔ اگر روایت کے - اسے الفاظ کسی راوی کو یاد نہ ہے تو اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ کو یہ یاد نہیں۔ جیسا کہ محمد بن عبید نے ایک روایت کو بیان کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ لا احفظ مما اُتوا جھ کو اس روایت کے ساتھ الفاظ یاد نہیں ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۷۷)

ایک روایت کو بیان کرتے ہوئے راوی یزید نے بلا کسی کشک کے کہہ دیا کہ مجھ کو باقی لوگوں کے نام بھول گئے قال یزید لیسیت بقیتمہم مینے۔

ب۔ ایک روایت کو مزید توثیق سے بیان کرتے ہوئے ایسے الفاظ کہہ دیے جو تاکید اور دستی پر واضح دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً راوی نے کہا حدثنی ابوسفیان من فیہ الی فی۔ مجھے ابوسفیان نے اس طرح بالمشافہ بیان کیا کہ اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا۔ بعض جگہ راوی کہہ دیتا ہے، معتبہ یا حدثنی۔ میں نے اپنے کانوں سے فرماتے ہوئے سنا یا بعض جگہ مطلقاً کہہ دیتا ہے۔

ج۔ بسا اوقات اس حدیث کا مقام اور جگہ بھی بتا دیتا ہے اور وقت بھی بتا دیتا ہے۔ جیسا کہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشاء کے وقت زبہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ فرمایا کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة۔ (بخاری شریف)

اور جہاں کہیں ایک راوی نے اپنی طرف سے ایک بات کہہ دی ہوگی تو وہ صاف کہہ دے گا کہ یہ میری طرف سے ہے۔ چنانچہ راوی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر صاف کہہ دیا ہذا من کلین ابی ہریرۃ۔

د۔ جہاں کہیں شک و شبہ ہو تو فوراً آؤ کا حرف کہہ دیا کہ یوں فرمایا یا یوں فرمایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

آخر وہ مرحوم و مغفور بزرگ جنہوں نے اپنی غزیر بیان کی پر وہ تک نہ کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صاف صاف واقعات کا اقرار کر لیا۔ ان سے یہ توقع کس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ اس رحمۃ اللعالمین پر اقراء باندھتے ہوں گے۔ اناللہ، ونعوذ باللہ۔

یہ وہ مسلمانوں کا کمال حفظ تھا کہ آج تک قرآن مجید کی طرح کتب حدیث بھی محفوظ ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر کا قول کہ نہ قرآن پاک تو قرآن پاک، دو سرے صحائف ہمارے کتب حدیث کی تحقیق اور صحت و حفاظت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (خطوط مشاہیر از عبدالماجد ص ۲۳۷)

یہ حفظ الفاظ حدیث کا اہتمام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ جیسا کہ براء بن عازب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی۔ اور پھر اس کو آپ کے سامنے دوہرانے لگے۔ تو وہ ہرلے ہوئے نبی کے لفظ کی بجائے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا) رسول کا لفظ کہہ دیا۔ آپ نے فوراً منع فرمادیا۔ اور وہی پہلا نبی کا لفظ کہلوا یا۔ (دمیح بخاری ص ۱۷۷) علی ہذا القیاس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اتنے زمانے سے قرآن کس طرح محفوظ رہا یا دو سری کتابیں جو قبل از زمانہ پر ہیں آپکی تمیں آج تک کس طرح محفوظ ہیں۔ مقامات افلاطون اور جعفر بن بلیموس وغیرہ تو محفوظ مانے جاتے ہیں حالانکہ ان کے لئے نہ کوئی سند ہے۔ نہ دلیل ہے۔ مگر حدیث کے ناقص اور ان کے محفوظ

نوٹ:۔ سب سے پہلے حافظ اس کتاب میں جن کا ذکر آیا ہے ابو یوسف مدیق ہیں۔ اور سب سے آخری حافظ حدیث جمال الدین ابو الحجاج القضاہی دمشقی متوفی ۴۲۲ھ میں۔ گویا علامہ ذہبی کو جن حفاظ حدیث کے حالات ساتویں صدی ہجری تک معلوم ہو سکے ان کی تعداد ۹۶۶ ہے۔

اس مسئلہ کی پوری تشریح کتاب کے شروع میں گزری ہے کہ صحابہ کرام کس قدر حدیث کی حفاظت اور اس کی جمع کرنے پر دلہیں اور خواہشمند تھے۔

فائدہ:۔ ہر فردن اولیٰ اور عربی ممالک کا تذکرہ کیا۔ ہندوستان میں بھی حدیث کے حفاظ بکثرت گزر چکے ہیں۔ مجدد الف ثانی کے پوتے شیخ محمد فرخ کو ستر ہزار احادیث تھیں اور سند کے ساتھ یاد تھیں۔ مولانا عبد الملک عباسی کو پوری بخاری یاد تھی۔ اور وہ زبانی درس دیا کرتے تھے۔ (نظام تعلیم و تربیت از گیلانی ص ۱۳۱)

جواب سوال نہم:۔ قرآن اور حدیث میں مخالفت کیوں ہے؟

جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے تشریف لائے ہوں کہ خداوند تعالیٰ کے پیغام کو دنیا تک پہنچائیں۔ یہ توقع کرنا بلکہ اس کا خیال بھی کرنا گناہ عظیم ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی بات فرمائی ہوگی جو قرآن شریف کی ہدایت کے خلاف ہو۔ اس لئے ہم یہ اعلان کرتے ہیں حق بجانب ہیں کہ احادیث میں اور قرآن میں ہرگز مخالفت نہیں ہے۔ اور اگر ظاہری طور پر کسی کلام کی مخالفت پائی جائے تو اس میں مطابقت ہو سکتی ہے۔ ورنہ اگر ایسی صورت پیدا ہی ہو جائے تو اس حدیث کو رد کرنے کا ہمیں پورا پورا اختیار ہے۔ منکرین حدیث نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بخاری کی حدیث نقل کی ہے کہ لم یکن علیہ ثلاث کلمات:۔

کرنے والے ہر زمانہ میں مشہور و معروف ہیں۔ آج بھی حدیث کے راویوں کے حالات علم اسماء الرجال میں موجود ہیں۔ ہر کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے، پھر خصوصاً جبکہ اس زمانہ اولیٰ سے لیکر آج تک اس کی تصنیف، تدریس اور پھر کروڑوں مسلمانوں کا عمل بالحدیث اس کی حفاظت اور بقا کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ مثلاً جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں رکعات ادا فرمائی، یہ حدیث جس طرح کتب حدیث میں موجود ہے، اسی طرح عرب و عجم مشرق و مغرب کے مسلمانوں کا اس پر عمل اس کی حفاظت کا سب سے بڑا انتظام ہے۔ پھر جبکہ مسلمانوں میں ایسے باہمت لوگ گزرے ہیں جنہوں نے احادیث کو سند اور متن کے ساتھ سند بنوک زبان یاد رکھا۔ چند محدثین کے اسماء گرامیہ عرض ہیں۔ علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ کتاب (جو کہ چار جلدوں میں ہے) میں اکیس طبقات بیان کئے ہیں۔ اودان میں مندرجہ ذیل تعداد حفاظ حدیث کی بیان فرمائی ہے:-

طبقات	تعداد	طبقات	تعداد
۱-۲-۳	۹۵	۱۱	۷۸
۴	۵۸	۱۲	۸۰
۵	۷۹	۱۳	۷۳
۶	۷۹	۱۴	۱۰۰
۷	۱۰۰	۱۵	۴۶
۸	۱۳۰	۱۶	۱۸
۹	۱۰۶	۱۷	۲۵
۱۰	۱۱۷	۱۸	۲۶
		۱۹	۱۳
		۲۰	۱۰
		۲۱	۸

م ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے۔ حالانکہ قرآن انکو صدیق راست گو فرما رہا ہے۔ حالانکہ یہاں پر کذب جھوٹ کے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ تو یہ کہ جتنے میں ہے۔ ورنہ پھر تو خود بالذات قرآن پر بھی یہی اعتراض ہوگا۔ کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ انکو لساو چون شک

اس مسئلہ کی تحقیق تیس سال بعد کے مسائل فرمائی ہے۔

بقتلہ

قتل جیسی نعمت دیکر انسان کے فہم سلیم بعیرت و تجربہ پر چھوڑ دیا ہے۔ نہ اس نے یہ بتایا کہ جیل کے اندر بارکین بنی ہوں، نہ یہ کہ قیدی کالی کوٹھڑیوں میں بند کئے جائیں۔ اسی طرح کے سینکڑوں جزئیات اس نے عقل انسانی ہی کے حوالے رکھے۔

ایسا ہی اس کا معاملہ قانون بین الملک اور سیاست کے ساتھ ہے۔ ان شعبوں میں بھی اس نے چند اصولی ہدایتیں واضح طور پر دیدی ہیں۔ اور چند باریک اشارے بھی اہل فہم کے لئے رکھ دیے ہیں۔ مثلاً :-

۱۔ جنگ صرف اللہ کے دین کی سرپرستی کے لئے کی جائے اس کی غایت ہو (۱) ملک گیری نہ ہو۔ (۲) صرف محاربین سے لڑا جائے۔ (۳) جب غنیمت صلح کے لئے چھوٹے تو مسلمان بھی اس پر آمادہ ہو جائیں۔ خواہ مخواہ خواری کو طول نہ دیں۔ (۴) معاہدہ کی پابندی ہر حال ضروری ہے۔ جب فریق ثانی کی چالوں سے اس کی غلاف و زری ناگزیر ہو جائے تو بھی اس کو اس کی اطلاع کر دیں۔ (۵) عدل، امانت، تقویٰ کا لحاظ جنگ و امن ہر صورت میں رکھیں۔ (۶)

مسلم حکمران کے خلاف جو کوئی دوسرا دعویٰ سرکشی و بغاوت کے ساتھ اٹھے، امت مل کر اس کا خاتمہ کرے۔ (۷) حکومت رعایا کے مشورہ سے ہونا چاہئے۔ (۸) مستقل حکومت صرف اللہ ہی کی ہے۔ حکمران صرف اس کی طرف سے نائب ہوتا ہے۔ اختلاف کی حالت میں ماخذوں کتاب اللہ و سنت، کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وغیرہ۔

تلاش سے اس قسم کے احکام و ہدایات اور بھی متعدد مل جائیں گے۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند نے ثم پاکستانی نے اپنے قابل قدر دستور قرآنی میں ۲۹ آیات قرآنی درج کر کے ان کی مدد سے ۱۸ دفعات قانونی مہم ضمنی دفعات کے تیار کی ہیں۔ یہ قرآنی ہدایات

اسول اور معیار کا کام ہر حال میں دیں گے۔ لیکن اس کے آگے جو ضخیم دفتر فروغ اور فروغ کا ہر ملک کے دستور کا نسبی ٹیوشن، کا ایک ناگزیر جزو رہتا ہے۔ اس کی ذمہ داری قرآن مجید نے ہرگز اپنے سر نہیں رکھی ہے۔ سیاست نامہ، قابوس نامہ اور الامتہ والسیاستہ وغیرہ کے نام سے آخر مسلمان اہل فکر و اہل قلم نے بھی کتابیں ہر دو میں لکھی ہیں۔ کیا وہ قرآن مجید کی شرحیں اور تفسیریں ہیں؟ جزئیات اور جزئیات دیں جزئیات تو ہر ملک اور ہر زمانے میں مکان و زمان کے مخصوص اور مصالح کے لحاظ سے خود ہی سینکڑوں کی تعداد میں بستے اور نئے نئے وضع ہوتے رہیں گے۔ اس کی ذمہ داری صرف اہل عمل و عقد کی فہم و بعیرت اور تفہیمات و وقت پر ہوگی۔

لامذہبی شرط صرف یہ ہے کہ کوئی قانون کسی قانون کی کوئی دفعہ قرآن مجید کے منافی نہ ہونے پائے۔ ہر شے کا قرآن کے موافق و ماتحت ہونا اور کسی شے کا قرآن کے مخالف و محارض نہ ہونا یہ دو مسئلے بالکل الگ ہیں۔ ہرگز ایک دوسرے کے مرادف نہیں۔ ادا ان دو کے درمیان غلط سمجھ اگر کسی نے پیدا کیا ہے تو بعض قدیم و جدید خارجی جماعتوں نے، نہ کہ جمہور اہل شریعت نے۔

درجہ تدریج و مصلحت میں کسی نئی سی نئی چیز کو بھی اختیار کر لینا شریعت میں کسی درجہ میں بھی ممنوع نہیں۔ اور ممنوع ہونا کیسا، درجہ تقویٰ کے بھی منافی نہیں، صرف یعنی مقام رسم و رواج کا اعتبار تو بڑے سے بڑے فقیہ نے بھی کیا ہے۔ اور خود حضرت عمرؓ جیسے دینی حمیت و غیرت کے پیکر نے کتنی ہی باتیں انتظام مملکت میں غیر قوموں سے اخذ کیں۔ اور سب سے بڑھکر مثال تو خود صاحب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ سیر کتابیں ملاحظہ ہوں کہ غلام موقعہ پر مجدد جنگ آپ سے دوسروں کے مشورہ سے بدل یا

فلاں جنگی تدبیر آپ نے دوسروں کے بتانے سے اختیار کی۔ فلاں شہار دینی (مثلاً اذان) میں آپ نے دوسروں ہی کا مشورہ قبول کیا۔ و لہ قیں علیٰ ہذا۔ یہاں تک کہ آپ کو حکم بھی اس کا ملا کہ دوسروں کے مشورہ کرتے رہیں۔ و شاوہم فی الامر۔ تو جب صاحب وحی تک آزاد و خود مختار تھے کہ جو تدبیر جہاں سے چاہیں اخذ کر لیں تو اہمیت کے اہل حل و عقد کا ذکر ہی کیا۔ لازمی شرط وہی پختہ کر کسی نئے قانون کسی نئی دفعہ قانون کا تصادم کسی حال میں نص قرآنی سے نہ ہونے پائے۔

قرآن (وعدو باللہ) کوئی گھبرانے ڈرنے سہنے کی چیز نہیں۔ بڑے زبردست سہانے کی چیز ہے۔ اور یہ بات محض خوش عقیدگی سے نہیں کہہ دی گئی۔ قرآن کی سیاسی رہنمائی تو بارہا تجربہ میں آچکی ہے۔ اور تاریخ کے صفحات پر اس کی گواہی بڑی صفائی اور قطعیت کے ساتھ ثبت ہے۔ محمد رسول اللہ نے اسی کو بنیاد قرار دیکر ۶۳۲ء سے ۶۳۲ء تک حکمرانی کی۔ بڑے بڑے مضبوط قلعہ فتح کئے۔ اپنے سے کہیں بڑی اور کہیں زیادہ طاقتور فوجوں کو شکست دی۔ معاہدے کئے، صلحنامہ مرتب کئے۔

ہر قسم کا ملکی، مالی نظم و نسق قائم کیا۔ عدل بے نظیر کی نظیر قائم کی اور اس حکومت کا رقبہ کسی گاؤں، قصبہ یا چھوٹے سے شہر تک محدود نہ تھا۔ آفر۔ ۱۱ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گیا۔ اور جس میں نجد کا ایک بھی شامل تھا اور حجاز کا بھی اور یمن کا بھی۔ پھر آپ نے بعد اسی قرآنی رہنمائی میں حکمرانی جاوید بر صلیبہ ۶۳۲ء سے ۶۳۲ء تک کی۔ جب قہ حکومت ملک عرب گذر کر عراق اور جنوبی شام میں ۱۳ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو چکا تھا اور وقت کی ایک طاقت و ترین سلطنت روم سے ٹکرا لینے کی ہمت کی۔ پھر یہی قرآنی حکمرانی خلیفہ دوم عمر فاروق (۶۳۲ء تا ۶۴۴ء) کے حصہ میں آئی۔ جب فتح پر فتح حاصل ہوتی رہی وقت کی دوسری طاقتور ترین سلطنت ایران کو بھی شکست ہو کر رہی۔ اور رقبہ حکومت حجاز، نجد، یمن، عراق، ایران، شام، شمالی و جنوبی مصر

طرابلس وغیرہ پر چھاکر ۲۷ لاکھ مربع میل ہو کر رہا۔ یہ بادشاہت نہ تھی، پوری شہنشاہی تھی۔ اور اس کی عدل گستری، رعایا پروری و حسن انتظام نے نو شیروان عادل کی یاد ہی دلوں سے بھلا دی۔ اس کے بعد یہی انتظام قرآنی درجہ بدرجہ عثمان غنی (۶۴۴ء تا ۶۵۶ء)، علی مرتضیٰ (۶۵۶ء تا ۶۶۱ء)، حسن بن علی (۶۶۱ء تا ۶۷۳ء) تک منتقل ہوتا رہا۔ اور اب اس حکومت قرآنی کے حدود افریقہ مشرقی و مغربی اور جزائر بحرہم تک وسیع ہو کر ۳۵ لاکھ مربع میل تک پہنچ چکے تھے۔ اور پھر اس سارے دور سعادت کے ختم ہونے پر

ایک بار پھر یہی نمونہ کوئی نصف صدی بعد اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (۷۱۷ء تا ۷۲۰ء) کے عہد میں دیکھنے میں آیا۔ جب یہ شہنشاہی اس سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہو چکی تھی۔ اور افغانستان، خراسان، کردستان، ترکستان بلکہ اسپین کے بھی حصہ اس میں شامل ہو چکے تھے۔ جو کتاب اعظم اتنی عظیم الشان شہنشاہی کی رہنمائی کے اصل و ماخذ کا کام لے چکی ہے، کیا آج وہ ایک معمولی سی سلطنت کے لئے بھی کافی نہیں ہو سکتی؟

خدا معطوم آج ایک گروہ قرآنی دستور کے نام سے لڑا اور سہاکیوں جا رہا ہے۔ شراب بیٹک اس حکومت قرآنی میں جاؤ نوٹے پائگی۔ شراب خانے اور محکمہ آبکاری یقیناً بند کئے جائیں گے۔ زنا کاری اور قبیح خانوں کیلئے وجہ جواز ہرگز اس میں پیدا نہ ہو سکے گی۔ جوئے اور طرح طرح کی "بازیوں" کیلئے اس میں گنجائش کسی طرح نہ مل سکیگی۔ سودی کاروبار کے سارے دفتر قطعاً اس میں نہ کرنے کے رکھ دیئے ہونگے۔ لہو و لعبہ مثلاً اس آزادی اور بے قاعدگی کا ساتھ جاری نہ رہ سکیں گے۔ خیانت اور رشوت ضرور ایک سخت جرم قرار پا جائیگی۔ لیکن اسکی پوری آزادی باقی رہی کہ نظام حکومت جمہوری ہے یا شخصی یا عموماً نائے طاقتور محطوم کیجائے۔ حکمرانوں کا انتخاب کس طرح ہو، وہ ٹروں کے حلقہ

کتاب بہترین فنیق ہے

پیغام حق: حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بکوی مرحوم کی آخری معرکہ الآراء تقریر، مذہب شیعہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۲/-
تفسیر آیت مباہلہ مصنفہ مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم کی صحیح تفسیر اور
شیعوں کے بڑے مخالف کا ازالہ قیمت چار آنے ۴/-

تفسیر آیت امامت مصنفہ مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قرآن مجید کی ان تمام آیات کی تفسیر جن میں لفظ امام
آیا ہے۔ اور مسئلہ امامت پر سیر حاصل تبصرہ قیمت چار آنے ۴/-

کشف التبلیس حصہ دوم و سوم: جس میں فضائل صحابہ و دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے۔
قیمت چار ۲۱/-

تفسیر آیت میراث ارض، آیت ولقد کتبنا فی الزبور سائر خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت قیمت ۴/-
علمائے ہند کی شاندار ماضی، کتاب کیا ہے گمانیہ دینی اور سیاسی معلومات کا بے بہا ذخیرہ ہے۔
سرور قارئین۔ مجلد قیمت ۶/۸/-

تفسیر آیت اولی الامر منکم: مصنفہ مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی، آیت اطیعوا اللہ کی تفسیر اور
شیعوں کے مخالف کا جواب قیمت چار آنے ۴/-

غلام احمد غمبر، اس کے پڑھنے سے کوئی مصیبت پیدا نہ کرنا مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا قائل نہیں ہو سکتا قیمت ۱۰/-
خطبات مولانا آزاد، مولانا آزاد کے خطبات جمعہ و عیدین قیمت ۱/-

ابوالائمہ کی تعلیم، جس میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی شخص محبت علیؑ اور پیر کا راہبیت نہیں بن
سکتا، جب تک مذہب اہل سنت اختیار نہ کرے۔ قیمت ۸/-

افکار آزاد، مرتبہ مولانا محمد عثمان صاحب فار قلیط ایڈیٹر زمزمہ قیمت ۲/۴/-

تفسیر آیت معیت: مصنفہ مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی آیت محمد رسول اللہ ط و
الذین معہ کی تفسیر حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کا خلیفہ

برحق ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت چار آنے ۴/-

ملنے کا پتہ

مکتبہ حزب انصار و منہج رسالہ شمس السلام ڈاک خانہ شمس السلام بھیرہ (پاکستان)